Online Unani Herbal Consultation

044-28481344 E-mail:drameen@vsnl.net

for Sinusitis ★Joints Pain ★infertility ★nervous ★debility ★Obesity ★beauty & Hair Care

in public interest by **Dr. Syed M.M. Ameen**

B.U.M.S. (OSM)., M.D. (Herbal Med).,
Ph.D. (MED)., M.N.S.A. (IND)

S.K's Herbal Medical Hospital & Research Centre

36, J.J.K. Road, Royapettah, Chennai-600014 INDIA

''اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (قرآن)

دعوت

سہ روزہ — نئی دہلی

تدبر قرآن (انگلش)

مولانا امین احسن اصلاحی

ترجمہ : سلیم کیانی

سلیم کیانی کے سلیس اور شگفتہ قلم سے تدبر قرآن جلد اول کا ترجمہ۔ یہ جلد سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ پر مشتمل ہے۔ ☆صفحات 693 ☆ہدیہ -/Rs.650

AL-BALAGH PUBLICATIONS

Flat No.10, Azmi Apartments, N-1, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph. 26942592, Mob. 09210008835
E-mail: abpublications@gmail.com

● جلد:۵۷ ● شمارہ:۲۲ ● ۷/مارچ ۲۰۰۹ء ● 7 March 2009 ● شنبہ ● ۹/ربیع الاول ۱۴۳۰ھ ● قیمت=/Rs.5 ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۳/ریال ● Posting: 5 March 2009 Thursday

اسکارف پر پابندی کی نکتہ چینی

برلن: انسانی حقوق کی تنظیم ہیومن رائٹس واچ نے کہا ہے کہ جرمن کی 24 میں سے 16 ریاستوں میں مسلم خواتین کے ہیڈ اسکارف پہننے پر پابندی ان کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ 67 صفحات پر مشتمل اپنی رپورٹ میں تنظیم نے کہا ہے کہ اس طرح کی پابندی مسلم خواتین کے ساتھ امتیازی سلوک کے مترادف ہے کیونکہ اس طرح وہ محض اپنے عقیدے کی بنیاد پر تدریس اور دیگر شعبوں میں سرکاری ملازمت سے محروم ہوجائیں گی۔

گجرات فسادات کی رپورٹ پیش

نئی دہلی: گجرات فسادات کی تفتیش کے لیے سپریم کورٹ کے ذریعہ مقرر کردہ خصوصی تفتیشی ٹیم ایس آئی ٹی نے بند لفافے میں اپنی خفیہ رپورٹ سپریم کورٹ کو پیش کردی۔ خصوصی تفتیشی ٹیم کے سربراہ اور سی بی آئی کے سابق ڈائریکٹر آر کے راگھون نے یہ رپورٹ جسٹس اریجیت پسایت کی قیادت والی بنچ کے سامنے پیش کی ہے۔ بنچ نے کہا ہے کہ یہ اہم رپورٹ حکومت گجرات اور عدالت کے مددگار کے طور پر کام کرنے والے ایڈوکیٹ ہریش سالوے کو دی جائے گی۔ عدالت نے انہیں چار ہفتے کے اندر اپنا شورہ داخل کرنے کی ہدایت دی ہے اور سماعت کی اگلی تاریخ 13 اپریل مقرر کی ہے۔ عدالت نے یہ بھی کہا ہے کہ خصوصی تفتیشی ٹیم اپنا کام جاری رکھے گی اور کسی بھی معاملہ کی تفتیش کے لیے اسے آزادی ہوگی۔ واضح رہے کہ عدالت نے یہ انکوائری قومی انسانی حقوق کمیشن اور دیگر غیر سرکاری تنظیموں کی ان عرضیوں پر کرائی تھی جن میں فسادات کے مقدمات کی سماعت ریاست سے باہر کرانے اور ان کی از سر نو تفتیش یا سی بی آئی سے تفتیش کرانے کی درخواست کی گئی تھی۔

ایران معاملہ میں امریکہ ناکام

لاس اینجلس: بین الاقوامی جوہری توانائی ایجنسی کے سربراہ محمد البرادعی نے کہا ہے کہ ایران کے جوہری پروگرام کو روکنے کی امریکہ کی کوششیں ناکام ہوچکی ہیں۔ ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ امریکہ برسوں سے ایران کے جوہری پروگرام کو روکنے کی کوشش کر رہا ہے مگر وہ اس معاملہ میں ناکام رہا۔ تہران کے ساتھ ٹکراؤ کی پالیسی اپنانے کے بجائے مغربی ممالک کو مذاکرات کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ واضح رہے کہ محمد البرادعی گزشتہ گیارہ برسوں سے ایجنسی کے سربراہ ہیں۔ اس دوران ئی بار سابق بش انتظامیہ سے ان کا اختلاف ہوا اور سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے انہیں 2005 میں عہدہ سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے۔

افغانستان جنگ نہیں جیتی جاسکتی

واشنگٹن: کناڈا کے وزیراعظم اسٹیفن ہارپر نے ایک ٹیلی ویژن انٹرویو میں کہا کہ افغانستان میں عسکریت پسندوں کے ساتھ لڑائی کبھی نہیں جیتی جاسکتی۔ ان کا ملک افغانستان سے فوجیوں کی واضح پالیسی کے بغیر اپنے مزید فوجی وہاں نہیں بھیجے گا۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں کوئی ایسی گھریلو سرکار ہی عسکریت پسندی پر قابو پاسکتی ہے جس کے پیچھے کسی باہری ملک کا ہاتھ نہ ہو۔ ہم صرف افغانستان میں ڈٹے رہنے سے عسکریت پسندوں کے خلاف جنگ نہیں جیت سکتے۔

نابینا آئی اے ایس افسر بن گیا

نئی دہلی: آدمی کے اندر جذبہ، محنت، لگن اور خلوص ہو تو اس کا ہر مشن کامیاب ہوسکتا ہے۔ 2006 کے پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں کامیاب ہوکر آئی اے ایس افسر بننے والے دہلی کے نابینا روی پرکاش گپتا کا مشن اس وقت ادھورا نظر آنے لگا جب یو پی ایس سی کے سارے امتحانات پاس کرنے کے باوجود ڈپارٹمنٹ آف پرسنل اینڈ ٹریننگ نے اسے تقرر کا لیٹر دینے سے انکار کردیا۔ لیکن روی پرکاش نے ہمت نہیں ہاری اس نے جولائی 2007 میں اس فیصلہ کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا جہاں سے فیصلہ اس کے حق میں آیا۔ روی پرکاش کے مطابق اس کے ساتھ یو پی ایس سی کے امتحانات کے آخری مرحلہ میں انٹرویو نابینا دوس نے دیا تھا لیکن صرف ہی کامیاب ہوا۔ اس سے قبل ایک اور خبر آئی تھی کہ ایک شخص نے جیل میں عمر قید کی سزا کاٹتے ہوئے یو پی ایس سی کا امتحان پاس

نظام کی بالادستی کی بحث کا ایک زاویہ یہ بھی ہے

پاکستان کے صوبۂ سرحد کے شمالی اضلاع پر مشتمل مالاکنڈ ڈویژن میں جس کو وادیٔ سوات کے نام سے جانا جاتا ہے نفاذ شریعت کے فیصلے نے پوری دنیا میں ایک کہرام مچادیا ہے، پاکستان کے اندر بھی اس سلسلہ میں خوف اور تشویش کا اظہار کیا جارہا ہے اور باہر کی دنیا میں تو جس درجہ کی تشویش پائی جاتی ہے اس کا اظہار آئے دن ہو رہا ہے، حالانکہ ابھی صرف اس کا اعلان ہوا ہے، عملدرآمد کی نوبت ابھی نہیں آئی ہے، اس حوالے سے ایک بار پھر یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ اسلام کے ساتھ جینا ممکن ہے یا نہیں، گویا یہ سوالات اٹھائے جارہے ہیں اور غور وفکر کی دعوت دی جارہی ہے کہ اگر کہیں اسلام کا بول بالا ہوتا ہے، وہ غالب آتا ہے تو کیا اس سے دوسروں کے لیے خطرہ پیدا ہوگا، دنیا جانتی ہے کہ سوات وہ علاقہ ہے جہاں صد فی صد مسلمان آباد ہیں، انہیں اس کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے لیے جس نظام حیات کو مفید پائیں اختیار کرسکتے ہیں اور اپنے اوپر اسے غالب کرسکتے ہیں، اگر کرۂ ارض کے تناظر میں غور کیا جائے تو یہ ایک ذرہ کے مانند ہوگا، لیکن اس چھوٹے سے خطے میں بھی وہاں کے لوگوں کی اپنی مرضی خواہش کے مطابق اگر شریعت کے نفاذ کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو اسے دنیا کے لیے ایک خطرہ تصور کیا جارہا ہے، یہ کہا جارہا ہے کہ یہ صرف پاکستان کے لیے ہی خطرہ نہیں ہے بلکہ پورے عالم کے لیے یہ خطرے کی علامت ہے۔ مغربی دنیا کو اس کی زیادہ فکر ہے اور اس سے زیادہ پریشانی لاحق ہے۔ چونکہ امریکہ اس وقت مغرب کا سربراہ ہے لہٰذا مغربی کی تشویش اس کے توسط سے ظاہر کی جارہی ہے، اس کی جانب سے یہ کہا جارہا ہے کہ ایک نیا خطرہ ابھر رہا ہے۔ اس کے سد باب کے لیے دنیا کو کچھ کرنا چاہیے۔ ایک ٹھوس منصوبۂ عمل تیار کرنا چاہیے اس وقت پوری مغربی سمیت دوسرے اہم خطوں میں بھی اس پر گہرا سوچ بچار جاری ہے۔ یہ محض سوات میں نفاذ شریعت کی ہی بات نہیں ہے بلکہ جب بھی شریعت اسلامی کے نفاذ کی بات کہیں سے بھی اٹھتی ہے تو لوگوں کے کان کھڑے ہوجاتے ہیں اور خطرے کی خبریں دی جانے لگتی ہیں۔ خواہ اس کی شکل کوئی بھی ہو کسی ایک چھوٹے سے خطہ کی بات ہو یا پوری ریاست کی پالیسی کے طور پر اس تصور خیال کو اپنانے کی بات ہو۔

انسان کے لیے ایک ضابطۂ حیات کی ضرورت ہے، ایک قانون اور ایک نظام کی ضرورت ہے، اس سے کوئی بھی عقل مند انسان انکار نہیں کرسکتا، اس لیے کہ اس کے بغیر پرامن انسانی زندگی کا تصور ہی ممکن نہیں ہے، انسانی تاریخ کا کوئی بھی دور اس سے خالی نہیں ہے۔ سماج ومعاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل ہمیشہ اس بنیاد پر ہوئی ہے، کوئی نہ کوئی نظریۂ حیات اس کا مرکز ومحور رہتا ہے، خواہ انسانی سماج بالکل ابتدائی اور سادہ مرحلے میں رہا ہو یا آج کے دور کا ہو تہ در تہ کسی نہ کسی کی بالادستی تو اسے قبول کرنی ہی پڑتی ہے اس کے بغیر انسانی زندگی کی گاڑی آگے بڑھ ہی نہیں سکتی، یہ انسان کی ایک بنیادی احتیاج ہے۔ لہٰذا اس نے عقل کو ...... اور اس سے ہدایات حاصل کیں، اس کی رہنمائی قبول کی، لیکن تاریخ اس پر گواہ ہے کہ عقل کی رہنمائی کافی اور بسا اوقات برمحل ثابت نہیں ہوسکتی۔ عقل نے جو گل کھلائے ہیں تاریخ کے صفحات میں اس کی تفصیلات محفوظ ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ عقل انسانی کی بھی ایک حد ہے، جو معاملات اس کی حد کے اندر تھے ان کو تو اس نے بخوبی حل کیا اور ان کے سلسلہ میں رہنمائی فراہم کی لیکن جن امور کا تعلق اس کی حد سے باہر تھا ان کے سلسلہ میں درست ہدایات کی اس سے امید رکھنا ہی فضول تھا، دوسری بات یہ کہ عقل کی بھی اپنی کچھ مجبوریاں ہیں، اس لیے کہ وہ بالکل آزاد اکائی نہیں ہے بلکہ اس پر دوسرے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں، اور ان کے درمیان کبھی جنگ و پیکار کی نوبت بھی آجاتی ہے اور اس کا بھی ایک دائرہ ہے، عقل مشاہدے اور تجربے کی محتاج ہوتی ہے، انسان اگر تجربہ ومشاہدے سے خالی ہو تو عقل اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتی یا اگر کرے گی بھی تو وہ رہنمائی نقص سے خالی نہیں ہوگی۔ اس لیے اس کا خطا کرنا عین ممکن ہے۔ لہٰذا رہنمائی کے لیے تو ایسی شئے کی ضرورت ہے جو بے خطا ہو، اور محدود ہو، کسی قسم کی مجبوری اس کو لاحق نہ ہو، بالادستی ایسی ہی شئے کی قبول کی جاسکتی ہے کیوں کہ وہی صحیح معنی میں رہبری کے لائق ہوسکتی ہے۔ یہ بحث بہت پرانی ہے اور اب تو دنیا اس کو مان چکی ہے کہ دنیا کو کنٹرول ایک ایسی ہی ہستی کر رہی ہے۔

شریعت کے نفاذ کی بات جو لوگ کرتے ہیں یا آج کر رہے ہیں وہ دراصل یہی بات کہہ رہے ہیں کہ بالادستی اس کی قبول کرنی چاہیے جو اس کا حق رکھتی ہے، وہ کسی مخصوص قانون کو مسلط کرنے کی بات نہیں کہہ رہے ہیں، اور پوری دنیا پر بھی پہلے ہی مرحلے میں نافذ کرنے کی بات نہیں کہہ رہے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ دنیا ان کی نہیں ہے، نہ یہ کسی حادثے کا نتیجہ ہے، یہ کسی کی تخلیق کردہ ہے، تخلیق کا یہ تقاضا ہے کہ جو چیز بنائی گئی ہے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہو وہ بے مصرف نہ ہو اس کے استفادے کی صورتیں بھی اسے رہنما خطوط کی صورت میں واضح کرنی چاہیے۔ یہ آیا، اس کا کائنات سے کیا تعلق ہے؟ یہ مشاہدہ اور روز سے انسان کر رہا ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن اس دنیا کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور پھر کبھی واپس نہیں آتا تو کہاں چلا جاتا ہے؟ کیا اس نے یہاں جو کچھ کیا ہے اس کا حساب کتاب اس سے ہوگا۔ اس لیے کہ فطرت کے جو قوانین ہیں وہ جوابدہی کے اصول پر مبنی ہیں۔ یہاں انسان جس کسی کو بھی کوئی ذمہ داری دیتا ہے تو اس سے وہ پوچھتا ہے کہ اس نے وہ ذمہ داری ادا کی یا نہیں، اگر خوبی کے ساتھ ادا کی تو اس کی تحسین کی جاتی ہے اور جو نہیں ادا کرتا ہے اس کی تنبیہ کی جاتی ہے، تو جو لوگ اس اصول کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جس ہستی نے انسانوں کی تخلیق کی ہے اس نے زندگی گزارنے کا ایک مکمل اور کافی نظام بھی دیا ہے۔ انسانی زندگی پر اس کی بالادستی ہوسکتی ہے، اس سے وہ ساری خرابیاں دور ہوسکتی ہیں اور تمام تعصبات ختم ہوسکتے ہیں جن میں اس وقت انسانی آبادی مبتلا ہے۔ اس سے انسان پر انسان کی بالادستی کا خاتمہ بھی ہوجائے گا۔ استحصال کو بھی اس طرح دور کیا جاسکتا ہے، شریعت کا نفاذ، کسی گروہ یا قوم کا اس کی طرح کے کسی دوسرے گروہ یا قوم پر بالادستی قائم کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ ہر طرح کی بالادستی کا خاتمہ کرکے انسان کو اس کی بالادستی ہی نہیں ہے جو فی الواقع حالات ہے، اس وقت شریعت کے نفاذ کے حوالے سے جو بحثیں چھڑی ہوئی ہیں اور جو سوچ بچار ہو رہا ہے ان کا ایک زاویہ یہ بھی ہونا چاہیے اور لوگوں کو اس زاویۂ نظر سے بھی اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیے، اس نقطۂ نظر کو پیش کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ (ش ر)

خبر ونظر

''انڈین مجاہدین''؟

وشو ہندو پریشد کی اس اپیل پر کہ مسلم علماء یہ واضح کریں کہ بھارت ''دارالحرب ہے یا دارالامن'' تبصروں کا سلسلہ جاری ہے۔ مختلف حلقوں کی طرف سے اس پر اظہار خیال کیا جارہا ہے۔ انگریزی اخباروں میں مراسلے بھی آرہے ہیں۔ بعض مراسلات میں بڑی دلچسپ باتیں کہی جارہی ہیں۔ انڈین ایکسپریس (۲/مارچ) کے ایک مراسلے میں کہا گیا ہے: ''مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں سے کی جانے والی اس اپیل کا محرک سیاسی ہے، تاہم انڈین مجاہدین جیسے گروپ جو اسلامی دہشت گردی سے تعلق رکھتے ہیں، ہندوستانی آئین کا احترام نہیں کرتے''۔ یہ تو یہ ایک مختصر مراسلہ کا ایک جملہ لیکن یہ اُس ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بہت بڑے پیمانے پر پیدا کردی گئی ہے۔ اس مراسلے میں ''انڈین مجاہدین'' کا حوالہ معنی خیز ہے۔ اخبار بینوں کو یاد نہیں آتا ہوگا کہ پانچ ماہ پہلے انھوں نے کبھی یہ نام سنا تھا۔ یہ نام انہیں بتایا ہے میڈیا اور سرکاری ایجنسیوں نے ستمبر میں دہلی کے کچھ مقامات پر بم دھماکوں کے بعد۔ اور ایجنسیوں کی معلومات کی بنیاد ہے کوئی ای میل میسج۔ اس کے بعد بٹلہ ہاؤس میں مارے اور پکڑے جانے والوں کو ''انڈین مجاہدین'' ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔

یہ ایک نیا مگر بیہودہ مذاق ہے

یہ ایک نیا اور بیہودہ مذاق ہے جو ہندوستانیوں کے ساتھ چند سال سے کیا جارہا ہے اور عوام اس سے لطف اندوز بھی ہو رہے ہیں۔ لیکن اصل مذاق نام نہیں، بلکہ دھماکے کراکے ان کے لئے مسلم شہریوں کو ذمہ دار قرار دینا ہے۔ چونکہ سرکاری ایجنسیوں کا یہ ظالمانہ مذاق نہایت کامیاب جارہا ہے، اسے مقبول بنانے میں میڈیا بھی ان کی مدد کر رہا ہے لہٰذا اس کا سلسلہ بڑھتا ہی جارہا ہے۔ ماحول ایسا بنا دیا گیا ہے کہ کہیں بھی تشدد کا کوئی بھی واقعہ ہو، عوام کا ذہن اپنے آپ مسلمانوں کی طرف چلا جاتا ہے، پھر سرکاری ایجنسیاں اسے مزید پختہ کرنے کے لئے کوئی نام گھڑ لیتی ہیں اور عوام میں وہ چل پڑتا ہے۔ نومبر میں ممبئی کے واقعات کی ابتدائی خبروں میں ایک نیا نام پیش کیا گیا تھا ''دکن مجاہدین''۔ لیکن اسے آگے چلایا نہیں گیا، غالباً اس لئے کہ آپریشن کا منصوبہ بنانے والوں نے حکمت عملی تبدیل کروی تھی۔ لیکن بہرحال، سرکاری ایجنسیوں کے زرخیز دماغ موجود ہیں، ای میل کے لئے انٹرنیٹ موجود ہے، میڈیا موجود ہے، یقین کرنے والے موجود ہیں۔ لہٰذا نئے نئے نام سننے کے لئے تیار رہنا چاہئے: ''حیدرآباد مجاہدین، اعظم گڑھ مجاہدین، مالیگاؤں مجاہدین، ممبئی مجاہدین، احمد آباد مجاہدین، جے پور مجاہدین، دلی مجاہدین، کلکتہ مجاہدین، بنگلور مجاہدین، جھمری تلیا مجاہدین......''

لطف کی ایک خاص بات

لیکن اگر عام لوگ ان افسانوں پر یقین کرتے ہیں تو بات سمجھ میں آتی ہے، مزے کی بات تو یہ ہے کہ مسلم تنظیمیں، ادارے اور افراد حتیٰ کہ بعض علماء بھی ان کہانیوں کو نہ صرف یہ کہ سچ مان لیتے ہیں بلکہ انہیں مزید مقبول اور پختہ بنانے کے لئے سرگرم بھی ہوجاتے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت وہ اجتماعات ہیں جو ''دہشت گردی مخالف کانفرنسوں'' کے عنوان سے جگہ جگہ منعقد کئے جارہے ہیں۔ یہ سلسلہ جو گزشتہ فروری میں دیوبند کی کانفرنس سے تیز ہوا تھا، رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ سب سے پہلے تو ''کانفرنس'' کا عنوان ہی اعلان کردیتا ہے کہ ''آتنک واد'' کے بارے میں سرکاری سطح سے جو کچھ بتایا جارہا ہے، منتظمین اسے درست تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں کانفرنسوں میں پولس، سیکورٹی ایجنسیوں اور میڈیا کے بیانات کو بھی چیلنج یقیناً کیا جاتا ہے لیکن یہ پہلو کھل کر سامنے نہیں آتا۔ میڈیا صرف وہی نتائج اخذ کرتا ہے جن سے مسلمان برضا ورغبت مجرم کے کٹہرے میں کھڑے ہوسکتے ہوں۔ کسی کانفرنس کا عنوان ایسا نہیں دیکھا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ مسلمان ان کہانیوں کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور پہلے یہ ثبوت چاہتے ہیں کہ آیا تشدد کے واقعات کے لئے فی الواقع کوئی مسلم گروپ ذمہ دار ہے (پ ر)

اور اب غزہ کی تعمیر نو کے نام پر......

امریکہ نے اعلان کیا ہے کہ وہ غزہ کی تعمیر نو میں بھرپور کردار ادا کرے گا، امریکی وزیر خارجہ ہلری کلنٹن اس میں امریکہ کی شرکت کا بھی اعلان کردیا ہے، انہوں نے مصر کے تفریحی مقام شرم الشیخ میں منعقدہ یک روزہ کانفرنس میں اس کا اعلان کیا کہ امریکہ غزہ کی تعمیر نو کے فنڈ میں نو سو ملین امریکی ڈالر دے گا، اس عالمی کانفرنس میں امریکہ اور یورپی یونین کے علاوہ دنیا بھر کے ستر ملکوں کے نمائندوں نے حصہ لیا، مصر اس معاملہ میں کافی سرگرم نظر آرہا ہے، لیکن اس یک روزہ عالمی کانفرنس کی اہم بات یہ ہے کہ یہ غزہ کی تعمیر نو پر غور کرنے اور اسکے لیے تدبیریں اختیار کرنے کے نام بلائی گئی ہے مگر غزہ کی کوئی نمائندگی نہیں ہے، حماس کو اس سے دور رکھا گیا ہے اور فلسطینیوں کی نمائندگی نام نہاد فلسطینی اتھارٹی کے صدر محمود عباس نے کی۔ جن کی مدت صدارت پوری ہوچکی ہے اور اب ان کا اس عہدے پر برقرار رہنا آئین کے ساتھ ایک کھلواڑ ہے۔

واضح رہے کہ 22 روزہ اسرائیلی جارحیت کے دوران غزہ کو پوری طرح تباہ ہوچکا ہے، یہاں کوئی ایک مکان بھی سلامت نہیں بچا ہے، اسرائیل نے شہری آبادیوں کو بے دریغ نشانہ بنایا ہے، کل کارخانے، بازار، شہری سہولتوں کی تنصیبات، جیسے واٹر سپلائی کے مراکز بجلی گھر، اسپتال اور دیگر طبی مراکز، سرکاری دفاتر سب کچھ تباہ ہوچکا ہے، آبادیاں ملبے کا ڈھیر بن گئی ہیں، سڑکیں غائب ہوچکی ہیں، گویا پورے پورے شہروں کو از سر نو آباد کرنے کا مسئلہ درپیش ہے۔ اسرائیل نے شفا خانوں تک کو نہیں چھوڑا ہے، اس پر سے اس نے ناکہ بندی کر رکھا ہے جو ابھی تک کھلی نہیں ہے، جگہ جگہ رکاوٹیں اب بھی موجود ہیں، غزہ کے اندر اس کی مرضی سے کوئی داخل نہیں ہوسکتا، پھر بھی بیرونی ملکوں کے نمائندہ کسی کسی طرح جانے میں کامیاب ہو جارہے ہیں۔

اس یک روزہ کانفرنس میں عالمی امدادی اداروں نے غزہ کے تعمیر نو کے لیے ساڑھے چار ارب ڈالر کا ایک فنڈ قائم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ جب کہ فلسطینیوں کی طرف سے تعمیر نو کے لیے دو اعشاریہ آٹھ ارب ڈالر کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ خلیج کی عرب ریاستوں نے ایک اعشاریہ چھ ارب ڈالر دینے کا وعدہ کیا ہے، سعودی عرب کے وزیر خارجہ سعود الفیصل نے غزہ فنڈ کے لیے ایک ارب ڈالر دینے کا وعدہ کیا ہے، لیکن ایک سوال یہ ہے کہ یہ فنڈ کس کے حوالے کیا جائے، اس پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ حماس کا کہنا ہے کہ فلسطینی اتھارٹی کو یہ رقم نہیں دی جانی چاہیے کیوں کہ اس سے اس کی امید نہیں ہے کہ وہ اس کا جائز مصرف لے گی، پہلے بھی فلسطین کو جو بیرونی امداد ملتی رہی ہے اس میں زبردست خرد برد ہوئی ہے۔ اور فلسطینی اتھارٹی کی اس فنڈ کو حماس کو دینے پر اعتراض ہے، مغربی ممالک بھی حماس کو درمیان میں نہیں لانا چاہتے ہیں۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ غزہ کی تعمیر نو مسئلہ سے سیاسی حل کے بغیر بے معنی ہے۔ اگر اسرائیل ناکہ بندی بدستور جاری رکھتا ہے اور فلسطین کو تسلیم نہیں کرتا، خود امریکہ نے جو نقشہ راہ بتایا ہے اور جو عرب امن منصوبہ پیش کیا گیا ہے، جس میں دو ریاستوں کی بات کہی گئی ہے کیا اس کے بغیر غزہ کی تعمیر نو سے قیام امن کو تقویت پہنچے گی۔ اس کانفرنس کے شرکاء کو بھی اس پر شبہ ہے یہی وجہ ہے کہ کانفرنس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ امداد کے ساتھ ساتھ سیاسی پیش رفت بھی ضروری ہے، امریکی وزیر خارجہ نے بھی اس کی ضرورت کا اظہار کیا ہے، ادھر یورپی یونین کے امور خارجہ کے سربراہ ہاویئر سولانی نے کہا ہے کہ اب یہ بھی اہم ہے کہ بین الاقوامی برادری غزہ کے لوگوں کو یہ احساس دلائے کہ وہ ان کی تکالیف کو سمجھتے ہیں اور ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ سعودی وزیر خارجہ سعود الفیصل نے بھی کہا کہ اسرائیل کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ عرب امن منصوبے پر بات کرنا ہمیشہ ممکن رہے گا۔ حماس نے بھی تعمیر نو کے منصوبے کا خیر مقدم کیا ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ اسے کانفرنس میں نہ بلانا غلط تھا، اس نے مطالبہ کیا ہے کہ تمام امداد عالمی تنظیموں کے ذریعہ تقسیم ہونی چاہیے نہ کہ فلسطینی انتظامیہ کے ذریعہ۔ ●●

شرانگیزی کا دفاع ضروری ہے

دارالعلوم دیوبند نے اپنے ایک فتوے میں ہندوستان کو جمہوری ملک قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں بسنے والی تمام اقوام قانوناً مشترک ہیں اور ملک کا دستور وآئین سب کی حفاظت کا ضامن ہے۔ ایسی صورت میں ہندوستان دارالامن ہے نا کہ دارالحرب۔ دارالعلوم کی طرف سے یہ فتویٰ اس استفتاء کے جواب میں دیا گیا ہے جس میں جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری مولانا سید محمود مدنی نے سوال کیا تھا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالامن اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ مفتی محمود الحسن بلند شہری کی طرف سے دیے گئے فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی، غمخواری، عزت وآبرو کی حفاظت کا معاملہ وابستہ رکھنا چاہیے، ظلم و زیادتی، خیانت و ناانصافی غیر مسلموں کے ساتھ بھی روا نہیں ہے۔ یہ فتویٰ جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے بھونیشور میں منعقدہ دہشت گردی مخالف امن عالم کانفرنس میں پڑھا گیا۔ یہ فتویٰ اس پس منظر میں دیا گیا کہ گزشتہ دنوں ممبئی میں وشو ہندو پریشد کے زیر اہتمام ''دھرم رکشا منچ'' کے عنوان سے سادھو سنتوں کا ایک سمیلن منعقد ہوا تھا۔ اس میں شنکر آچاریہ، مٹھ، آدھی پتی، پیٹھ آدھی پتی اور اکھاڑا کے سربراہ وغیرہ شریک ہوئے تھے۔ سمیلن میں مسلمانوں کے خلاف بہت سی بے بنیاد باتیں کہی گئی تھیں۔ اس سمیلن کے درمیان وشو ہندو پریشد کی طرف سے آل انڈیا ملی کونسل، دارالعلوم دیوبند، تبلیغی جماعت، جمعیۃ علماء ہند سمیت تیرہ مسلم اداروں کو ایک خط بھیجنے کی بات کہی گئی تھی۔ خط میں مسلم اداروں سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اس بارے میں کھل کر اعلان کریں کہ مسلمانوں کی نظر میں ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالامن؟ اس خط میں یہ بھی پوچھا گیا تھا کہ ہندو کافر ہیں یا نہیں اس کی بھی وضاحت کی جائے۔

دارالعلوم دیوبند نے خط ملنے سے پہلے ہی اس تعلق سے اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کی بنیاد وضاحت کردی تھی کہ ہندوستان مسلمانوں کی نظر میں دارالامن ہے۔ دارالعلوم کے نائب مہتمم مولانا عبد الخالق مدراسی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایک ایسا ملک جہاں آپ اپنی حکومت خود منتخب کرتے ہیں دارالحرب کیسے ہوسکتا ہے؟۔ مولانا مدراسی نے مزید کہا تھا کہ دارالحرب اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں ہم جنگ کی حالت میں ہوں یا جہاں پر مسلمانوں کو عبادت کرنے کی اجازت نہ ہو یا کوئی ایسا ملک جو مسلمان مملکت کے لیے خطرہ بن رہا ہو دارالحرب کی حیثیت رکھتا ہے۔

کفر وکافر کے تعلق سے بھی جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا سید ارشد مدنی اور دیگر علماء کی طرف سے مدلل انداز سے وضاحت کی گئی تھی۔ دارالعلوم کی وضاحت کو ملک کے سماجی، مذہبی طبقوں ہی میں نہیں بلکہ سیاسی حلقوں میں بھی سراہا گیا تھا اور وشو ہندو پریشد کی شرارت پر سخت تنقید کی گئی تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے اس فتویٰ نے مسلمانان ہند کے موقف کو اور بھی واضح کردیا ہے۔

اسلامی اصطلاحات پر تنقید اور دارالاسلام، دارالامن، دارالحرب کو منفی معنی پہنانے کی کوشش نئی نہیں ہے۔ اس سے پہلے اس طرح کی بارہا کوششیں ہوتی رہی ہیں اور ہر بار ملت اسلامیہ کی طرف سے جوابات بھی دیے جاتے رہے ہیں، لیکن چونکہ تنقید و اعتراضات کا مقصد افہام وتفہیم کے بجائے مسلمانوں کے خلاف پورے ملک میں رائے عامہ کو گمراہ کرنے، ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا اور ملک میں فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا دینا ہوتا ہے اس لیے یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

حالیہ شرانگیزی کے پس پردہ دیگر عوامل و مقاصد کے علاوہ آئندہ پارلیمانی انتخابات کے پیش نظر فرقہ پرست سیاسی پارٹیوں کے لیے فضا تیار کرنا بھی ایک بنیادی مقصد ہے۔ فرقہ پرست سیاسی جماعتوں کے سامنے دشواری یہ ہے کہ اب تک وہ کسی ایسے ایشو کی تلاش میں ناکام رہی ہیں جو ان کے لیے ووٹ میں اضافے کو یقینی بناسکے۔ پرانے ایشوز رام مندر کی تعمیر، رام سیتو، یکساں سول کوڈ، دہشت گردی کی حقیقت عوام کے سامنے واضح ہوچکی ہے اور اب وہ اس طرح کی کسی بھی شعبدہ بازی سے متاثر ہونے کو تیار نہیں ہیں۔ ماضی کے اسمبلی انتخابات سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے۔

فرقہ پرستوں کے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ سوجھ بوجھ، معاملہ فہمی اور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا جائے وہیں ملت اسلامیہ کو اپنے موقف کی وضاحت میں احتیاط ومتانت سے کام لینا چاہیے اور کسی بھی مسئلہ میں الجھے بغیر اپنی ساری توانائی ملک وملت کی فلاح و بہبود، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے استحکام اور تعمیری کاموں میں صرف کرنی چاہیے۔ وقت کا یہ اہم تقاضا ہے۔ (ع ک)

بلاتبصرہ

س: ایل کے آڈوانی کا کہنا ہے کہ بی جے پی رام مندر کی تعمیر کے ایجنڈے کو چھوڑا نہیں وہ آج بھی اس پر قائم ہے۔

ج: وہ جھوٹ بولتے ہیں، بی جے پی نے رام مندر کے ایشو کو محض سیاسی فائدے کے لیے استعمال کیا ہے، وہ مندر یا (بھگوان) رام کو ایک ادھیلا بھی نہیں دینا چاہتے۔ جب تک اس مسئلہ سے بی جے پی اور وی ایچ پی کا نام منسلک ہے اور وہ اس سے منسلک ہیں یہ مسئلہ کبھی حل نہیں ہوسکتا۔

ستندر داس
رام جنم بھومی کے بڑے مہنت
تہلکہ کے اجیت ساہی کو دیے گئے انٹرویو سے ماخوذ۔ (تہلکہ ۷ مارچ ۲۰۰۹)

انسانیت ملٹی نیشنلز کے خونی پنجوں میں

میر بابر مشتاق

ملٹی نیشنل کمپنی

ملٹی نیشنل کمپنی اس کمپنی کو کہا جاتا ہے جس کا ہیڈکوارٹر کسی ایک ملک میں ہو اور بزنس سیٹ اپ کم ازکم چالیس ممالک میں ہو۔ اس وقت تقریباً بارہ ہزار کمپنیاں کام کر رہی ہیں جن میں تقریباً ۳۵ ملین لوگ کام کر تے ہیں۔ ان میں سے پانچ سو کمپنیاں قابل ذکر ہیں۔ ان میں ۴۱۴ کمپنیاں صرف تین بڑے ممالک کی ہیں۔ یعنی امریکہ کی ۱۶۱، جاپان کی ۱۲۸ اور یورپ کی ۱۲۵۔ جس دنیا کو ہم امریکہ اور کبھی روس اور کبھی جاپان کی دنیا کہتے ہیں یہ دنیا اب ملٹی نیشنل کمپنیوں کی دنیا ہے۔ یہ کمپنیاں اتنی بڑی طاقت ہیں کہ دنیا کی باقی ساری طاقتیں سمٹ کر ان کی مٹھی میں آجاتی ہیں۔ دنیا کے اکثر ممالک کی چھوٹی بڑی حکومتوں سے زیادہ ان کا بجٹ ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ دنیا پر دراصل یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں ہی حکومت کر رہی ہیں، یہ اپنی مرضی کے لوگ اقتدار میں لے کر آتی ہیں۔

۵۰ مشہور ملٹی نیشنل کمپنیاں:

پچاس ملٹی نیشنل کمپنیاں جودن بدن ترقی کررہی ہیں، ان میں ۴۳ کا تعلق امریکہ سے ہے، جبکہ تین جاپان اور ایک ایک ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، برطانیہ اور سنگاپور کی کمپنیاں ہیں۔ امریکی کمپنیوں میں الیکٹرانکس اور برقی آلات بنانے والی کمپنی، انشورنس کمپنی پرک شائر، جنرل الیکٹرک، وال مارٹ اسٹورز، کمپیوٹر کی فرم مائیکروسافٹ، ، کمپنی ہوم ڈپو، دوا ساز کمپنی جانسن اینڈ جانسن، ڈاک کمپنی فیڈیکس، بینکاری کی فرم سٹی گروپ، کمپیوٹر ہارڈ ویئر کی کمپنی انٹیل، کمپیوٹر نیٹ ورک کی کمپنی سیکو سسٹم، دوا ساز کمپنی، مرک، دوا ساز کمپنی پفزر، ڈاک کمپنی یونائیٹڈ پارسل سروسز، گھریلو اشیاء کی کمپنی ٹارگیٹ، کاسمیٹکس کی کمپنی پراکٹر اینڈ گیمبل، مشروبات کی کمپنی پیپسی کولا، میڈیا کمپنی اے او ایل ٹائم وارنر، مشروبات کی کمپنی این ہیوزر بوش، پٹرولیم کی مصنوعات کی کمپنی ایکسن موبائل، مشروبات کی کمپنی کوکا کولا، بینکاری کی فرم جے پی مورگن، انشورنس کمپنی امریکی انٹل گروپ، کمپیوٹر کمپنی ڈیل کمپیوٹر، لائف انشورنس کمپنی نارتھ ویسٹ میوچل، خوراک اور ادویات کے اسٹورز کی مالک کمپنی وال گرین، دوا ساز فرم ایلی للی، فضائی کمپنی کانٹی نینٹل ایئر لائنز، تفریحی کمپنی والٹ ڈزنی، دوا ساز کمپنی برسٹل میئرز، توانائی کی کمپنی ڈیوک انرجی، کیمیکل کی کمپنی ڈیو پوائنٹ، جہاز بنانے والی کمپنی بوئنگ کارپوریشن، کاسمیٹکس کی فرم کولگیٹ پام اولیو، صنعتی آلات بنانے کی فرم کیٹرپلر، کمپیوٹر کے آلات بنانے والا ادارہ سن مائیکرو سسٹم، ٹیلی کمیونی کیشن کا ادارہ ایف بی سی کمیونی کیشنز، کمپیوٹر سے متعلق فرم آرٹیکل، صنعتی آلات بنانے والا ادارہ ڈیئر، فولاد کی کمپنی الکوا، گاڑیاں بنانے کی فرم فورڈ موٹر، ٹیلی کمیونی کیشن کی فرم بیل ساؤتھ، خوراک اور ادویات کے اسٹور کی چین کروگر اور آلات بنانے والی فرم ٹیکساس انسٹرومنٹس شامل ہیں۔ اس کے علاوہ غیر امریکی فرم فن لینڈ کی نوکیا، جاپان کی ٹیوٹا، سونی اور ہونڈا موٹرز، سوئٹزرلینڈ کی نیسلے، برطانیہ کی بی پی اور سنگا پور کی سنگاپور ایئر لائنز شامل ہیں۔ یہ پچاس کمپنیاں آنے والے دنوں میں پانچ سو بڑی کمپنیوں کو کھاجائیں گی۔ یہ اس وقت دنیا کی ۷۰ سے ۷۵ فیصد دولت کی مالک ہیں۔

یورپ کی ۲۴ بڑی کمپنیاں

یورپ کی پچیس بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں میں جرمنی کی کمپنی ڈیملر کریسلر پہلے نمبر پر ہے، دوسرے نمبر پر برطانوی کمپنی رائل ڈچ شیل گروپ ہے، تیسری کمپنی بی پی برطانیہ کی کمپنی ہے، چوتھے نمبر پر فرانس کی کمپنی ٹوٹل، پانچویں نمبر پر بھی فرانس کی کمپنی اے ایکس اے، چھٹے نمبر پر جرمنی کی کمپنی والکس ویگن، ساتویں نمبر پر جرمنی کی کمپنی سیمنز، آٹھویں نمبر پر نیدرلینڈ کی انگ گروپ، نویں نمبر پر جرمنی کی کمپنی ای آنا، دسویں نمبر پر جرمنی کی ہی کمپنی ڈوئچے بینک، گیارہویں نمبر پر برطانیہ کی سی جی این یو اور بارہویں نمبر پر فرانس کی کمپنی کیئرفور، تیرہویں نمبر پر سوئٹزرلینڈ کی کریڈٹ سوئس، چودہویں نمبر پر فرانس کی کمپنی بی این پی بارِبس، ۱۵ویں نمبر پر اٹلی کی کمپنی Assicurazioni، سولہویں نمبر پر اٹلی کی فیٹ، سترہویں نمبر پر برطانیہ کی ایچ ایس بی سی ہولڈنگ ہے۔ اٹھارہویں نمبر پر نیدر لینڈ کی Ligke-ahocd Comink-، انیسویں نمبر کی کمپنی سوئٹزرلینڈ کی نیسلے، بیسویں نمبر پر سوئٹزرلینڈ کی یو بی ایس، اکیسویں نمبر پر اٹلی کی ای این آئی، ۲۲ویں نمبر پر برطانیہ کی یونی لیور، ۲۳ویں نمبر پر بیلجیم کی فورٹس اور چوبیسویں نمبر پر نیدرلینڈ کی اے بی این ایمرو۔

ایشیا کی پچیس بڑی کمپنیاں:

ایشیا کی پچیس بڑی کمپنیوں میں سے ۲۱ کا مالک جاپان ہے، جبکہ تین چین اور ایک جنوبی کوریا کے پاس ہیں۔ ایشیا کی پچیس بڑی کمپنیوں میں جاپان کی متسوبشی پہلے نمبر پر ہے، ٹیوٹا موٹرز، متسوئی اٹیشو، جو پون ٹیلی گراف اینڈ ٹیلی فون، سومی ٹومو، مارو بنی، ہٹاچی، مستوشیبا الیکٹرک، نی پون لائف انشورنس، سونی، Nisshoiwai، ہونڈا موٹرز، نسان موٹرز، توشیبا، می زوہو ہولڈنگ، فیوجی ٹاسو، این ای سی، ٹوکیو الیکٹرک پاور، ڈائی ایچی میوچل، چین کی سینوپک، چین کی اسٹیٹ پاور، چین کی چائنا نیشنل پٹرولیم، جنوبی کوریا کی سام سنگ الیکٹرانکس۔ ان میں سب سے غریب کمپنی سومی ٹومو لائف ہے جو ۳۷ ہزار پانچ سو ملین ڈالر کے اثاثہ جات کی مالک ہے۔

ملٹی نیشنل کمپنیاں اور مسلم ممالک:

دنیا میں اس وقت تیل پیدا کرنے والے بڑے ممالک میں الجیریا، انڈونیشیا، ایران، عراق، کویت، لیبیا، نائجیریا، قطر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور وینزویلا شامل ہیں۔ ان گیارہ میں سے دس مسلم اور ایک غیر مسلم ملک وینزویلا ہے۔ سعودی عرب کے پاس دو لاکھ ۶۲ ہزار سات سو ۸۴ ملین بیرل خام تیل کے ذخائر ہیں جبکہ چھ ہزار ایک سو ۴۶ بلین کیوبک میٹر قدرتی گیس ہے۔ وہ روزانہ سات ہزار پانچ سو ۸۴ بیرل تیل اور ۴۶ ہزار دو سو ملین کیوبک گیس نکالتا ہے۔ سعودی عرب ہر سال ۴۴ ہزار ۹ سو ۴۳ ملین ڈالر کا تیل فروخت کرتا ہے۔

سعودی عرب کے بعد تیل کا سب سے بڑا ذخیرہ عراق میں ہے جہاں ایک لاکھ بارہ ہزار پانچ سو ملین بیرل تیل اور تین ہزار ایک سو ۸۸ بلین کیوبک میٹر گیس ہے۔ ایران کے پاس ۹۳ ہزار ایک سو ملین بیرل تیل اور ۲۲ ہزار تین سو ۷۰ بلین کیوبک میٹر گیس ہے۔ لیبیا کے پاس ۲۹ ہزار پانچ سو ملین بیرل تیل اور ایک ہزار تین سو پندرہ بلین کیوبک میٹر گیس ہے۔ الجیریا کے پاس گیارہ ہزار تین سو گیارہ ملین بیرل تیل اور چار ہزار پانچ سو ۲۳ بلین کیوبک میٹر گیس، نائجیریا کے پاس ۲۲ ہزار پانچ سو ملین بیرل تیل اور تین ہزار پانچ سو دس بلین کیوبک میٹر گیس، انڈونیشیا میں چار ہزار ۹ سو ۸۰ ملین بیرل تیل اور چار ہزار چار سو ۸۰ بلین کیوبک میٹر گیس اور وینزویلا میں ۷۶ ہزار آٹھ سو ۸۴ ملین بیرل تیل اور چار ہزار ایک سو ۵۲ بلین کیوبک میٹر گیس ہے۔

مسلم ممالک کے ساتھ معاندانہ رویہ:

دنیا میں سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والے مسلمان ممالک ہیں۔ لیکن ملٹی نیشنل کمپنیوں میں یورپ کی اجارہ داری کی وجہ سے ایک بھی ملٹی نیشنل کمپنی کسی مسلمان ملک کی نہیں ہے۔ وینزویلا جو ایک غیر مسلم ملک ہے، دنیا کی پانچ سو بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں میں شامل ہے۔ اس فہرست میں بیس سے زیادہ امریکی کمپنیاں ایسی ہیں جو مسلمان ممالک سے تیل لے کر فروخت کرتی ہیں۔ اس خرید وفروخت سے ان کے اثاثہ جات کی مالیت دو لاکھ دس ہزار تین سو ۹۲ ملین ڈالر ہو چکی ہے جو سعودی عرب کی پانچ برس کی تیل کی کل فروخت کے برابر ہے۔ اس کے برعکس وینزویلا مسلم ممالک کے مقابلے میں بہت کم تیل نکالتا ہے لیکن غیر مسلم ریاست ہونے کے باعث نہ صرف وہاں آئل کمپنی بن گئی ہے بلکہ اسے دنیا کی بڑی کمپنیوں میں بھی شامل کرلیا گیا ہے۔ مسلمان ممالک کے ساتھ معاندانہ رویے کی یہ ایک بڑی مثال ہے۔

تین بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں:

ملٹی نیشنل کمپنیوں کی دنیا میں تین بڑے نام جو اس وقت دنیا میں چھائے ہوئے ہیں ان میں پہلے نمبر پر کوکا کولا ہے جس کا آغاز ۱۸۸۶ء میں ہوا، ۱۹۶۰ء میں فانٹا اور اسپرائٹ بھی اس کمپنی کی ملکیت میں آگئیں۔ دو سو ممالک کے اندر اس کا کاروبار پھیلا ہوا ہے۔ گزشتہ سال کمپنی کی مصنوعات کی فروخت کا اندازہ چھیالیس ارب ڈالر لگایا گیا ہے۔

دوسرے نمبر پر بڑی کمپنی میکڈونلڈ ہے جس کے دنیا کے ۱۲۰ سے زائد ممالک میں ۲۷۰۰۰ سے زائد ریسٹورنٹ کام کر رہے ہیں۔ اس کمپنی نے ۱۹۵۵ء میں آغاز کیا اور دنیا کے ہر حصے میں ریسٹوران قائم کئے جا رہے ہیں جہاں روزانہ تقریباً چار کروڑ لوگ فاسٹ فوڈ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس کمپنی کے تحت ایک یونیورسٹی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے جس سے پچاس ہزار طلبہ اب تک ہیمبر گرالوجی میں گریجویشن کر چکے ہیں اور مختلف ممالک میں یہ یونیورسٹی کورسز کرواتی ہے۔

تیسرے نمبر پر والٹ ڈزنی کمپنی ہے جو کہ اے بی سی ٹیلی ویژن نیٹ ورک اور اے بی سی ریڈیو نیٹ ورک کی مالک ہے، جس کے تحت فلموں کے علاوہ کتب کی اشاعت، جرائد اور پارک ڈزنی ورلڈری سارٹ فلور، ڈزنی لینڈ کیلیفورنیا، پیرس اور ٹوکیو چلاتی ہے۔

ان تینوں کمپنیوں کا باہمی تعاون بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ میکڈونلڈ ریسٹورنٹ پر کبھی پیپسی کولا نہیں ملے گی بلکہ کوکا کولا ہی ملے گی۔ اسی طرح ڈزنی لینڈ اور پیرس میں یہی مشروب فروخت ہوتا ہے۔ ان تینوں کمپنیوں کا مجموعی سرمایہ ۲۶۵ ارب ڈالر سے زائد ہے۔

کوکا کولا اور یہودیوں کا گٹھ جوڑ:

کوکا کولا ۱۹۶۶ء سے اسرائیل کی ایک بہت بڑی معاون کمپنی ہے۔ ۱۹۹۷ء میں اسرائیلی حکومت کے اقتصادی مشن نے کوکا کولا کو اس کی خدمات کے اعتراف میں اسرائیل ٹریڈ ایوارڈ سے نوازا تھا۔ کوکا کولا گزشتہ تیس سال سے اسرائیل کو امداد فراہم کررہی ہے۔

۱۴؍فروری ۲۰۰۲ء کو کوکا کولا نے یونیورسٹی آف منی سوٹا کے اشتراک سے اسرائیل کی حمایت میں پروپگنڈے کے لئے فنڈ جمع کرنے کی غرض سے ایک لیکچر کا اہتمام کیا۔ یہ لیکچر لنڈا گریڈ اسٹین نے دیا۔ اس تقریب کو فرینڈز آف اسرائیل اور نیشنل ہیلی جیسی صیہونی تنظیموں کا تعاون بھی حاصل تھا۔

مسلم دنیا ۹۶ لاکھ ڈالر روزانہ اسرائیل کو دیتی ہے:

دنیا بھر کے مسلمان سگریٹ اور کولڈ ڈرنک کی مد میں روزانہ ۹۶ لاکھ ڈالر اسرائیل کو ادا کر رہے ہیں۔ یہ بات امریکی سی آئی اے کی جاری کردہ رپورٹ میں بتائی گئی جو سی آئی اے کی انٹرنیٹ پر ویب سائٹ پر موجود ہے۔ رپورٹ کے مطابق دنیا کی ساڑھے چھ ارب آبادی میں مسلمانوں کی آبادی ڈیڑھ ارب کے قریب ہے جن میں چالیس کروڑ سگریٹ نوشی کے عادی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق دنیا کی سب سے بڑی سگریٹ ساز کمپنی فلپس مورس ہے جس کے مالک یہودی ہیں۔ کمپنی منافع کا بارہ فیصد اسرائیل کو بطور عطیہ دیتی ہے۔ یوں مسلم دنیا سے ۸۰۰ ملین ڈالر روزانہ فلپس مورس کو جاتے ہیں جس میں کمپنی کا اوسطاً منافع دس فیصد یعنی ۸۰ ملین ڈالرز روزانہ کا ہے۔ اس بارہ فیصد کے حساب سے ۹،۶ ملین ڈالر یعنی ۹۶ لاکھ ڈالر روزانہ مسلمان صرف سگریٹ نوشی کی مد میں اسرائیل کو ادا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کولڈ ڈرنک کی مد میں روزانہ لاکھوں ڈالر اسرائیل کو مل رہے ہیں۔

میکڈونلڈ کا اسرائیل کو فنڈز:

JUF جو کہ یہودیوں سے مالی تعاون کا ادارہ ہے، اس کا مرکز شکاگو میں ہے۔ میکڈونلڈ اسرائیل کو سپورٹ کرنے والا تیسرا بڑا معاون ہے۔ میکڈونلڈ کا مالک عمری فیران ایک یہودی ہے۔ اسے اسرائیل کی شہریت حاصل ہے۔ میکڈونلڈ کا ہیڈ آفس شکاگو میں ہے اور یہیں سے ہر سال عالمی یہودی ریاست کے قیام کے لئے فنڈز فراہم کئے جاتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ مسلمان فلسطینیوں پر حملے کے لئے استعمال ہونے والے اسلحے کی قیمت ان کمپنیوں کی اشیاء خرید کر ادا کر رہے ہیں۔ ●●

آنے والی دنیا کے تین منظرنامے

تلخیص: ایم ابراہیم خان

دنیا اس تیزی سے تبدیل ہورہی ہے کہ کسی کو اندازہ نہیں کہ دس پندرہ سال بعد مختلف خطوں کی انفرادی اور دنیا کی اجتماعی شکل اور کیفیت کیا ہوگی۔ کئی ممالک عالمگیریت کو بھرپور اعتماد کے ساتھ قبول کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ان ممالک کو مختلف جہتوں سے کئی خطرات لاحق ہیں۔ کئی خطوں کا معاشی اور سیاسی وجود خطرے میں ہے۔ بین الاقوامی سیاست ومعیشت کے ماہرین اندازے قائم کررہے ہیں کہ آنے والے زمانوں میں کن مشکلات سے ہمیں نمٹنا پڑے گا۔ سیاسی اور عسکری حقائق کی روشنی میں مالیاتی، معاشی اور جغرافیائی تبدیلیوں کے حوالے سے اندازے قائم کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر ملک آنے والے عجیب وغریب زمانوں کے لئے خود کو تیار کرنے میں مصروف ہے۔ کیا آنے والے زمانوں میں روئے زمین پر آباد تمام انسانوں کا مقدر یکساں ہوگا؟ سب کے لئے خوشحالی یقینی ہوجائے گی؟ یا بیشتر ممالک باہمی تنازعات کے باعث ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہوتے چلے جائیں گے؟ پال اے لاڈیسنا نے ۲۰۱۵ء کی دنیا کے تین منظرنامے اپنی کتاب ”ورلڈ آؤٹ آف بلینیس“ میں پیش کئے ہیں:

سابق امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے کہا تھا کہ اگر آپ کو اپنی طے شدہ منزل تک پہنچنے کے لئے درست راستہ معلوم نہ ہوتو کوئی بھی سڑک آپ کو کہیں بھی نہیں پہنچا سکتی۔ آج کی دنیا کچھ ایسی ہی ہے۔ لوگ چل رہے ہیں مگر منزل کا تعین کرنے کی صلاحیت اور سکت سے محروم ہیں۔ یہ مسئلہ کسی ایک ملک یا قوم کا نہیں۔ دنیا بھر میں لوگ محسوس کررہے ہیں کہ وہ درست سمت کا تعین نہیں کر پائے ہیں اور سفر محض اندازے کی بنیاد پر طے ہورہا ہے۔ ہر ملک کو تبدیلیوں کا درست اندازہ قائم کرنے اور بہترین راستے کا تعین کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی مؤثر طریقہ خود وضع کرنا ہے۔ کسی بھی بڑی تبدیلی کو سمجھنا اب بجائے خود ایک فن ہے۔ قومی قیادتوں کو ہر بڑی تبدیلی کا عمدگی سے جائزہ لے کر ایسے اقدامات کرنا ہوتے ہیں جو ردعمل سے زیادہ عمل پر مشتمل ہوں۔ اگر قائدین میں حالات کو بہتر طور پر سمجھنے اور بروقت و درست عمل کی راہ ہموار کرنے کی صلاحیت نہ ہوتو معاملات کو درست کرنا دشوار تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

دنیا بھر میں سیاست، معیشت، مالیاتی، ماحول، معاشرت، میڈیا اور دیگر شعبوں میں رونما ہونے والی بنیادی تبدیلیوں کی بہتر تفہیم کے لئے پانچ شعبوں کا جائزہ لینا ناگزیر ہے۔ عالمگیریت، آبادی کی نوعیت اور ساخت، صرف کے رجحانات، قدرتی وسائل اور ماحول کی کیفیت اور ان تمام شعبوں کو منضبط کرنے والے قوانین اور تحاریک پر غور کرکے ہی ہم کوئی بہتر نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں۔ ان تمام عوامل کے تجزیے کی بنیاد پر ۲۰۱۵ء کے تین ممکنہ منظرنامے میرے ذہن میں ابھرتے ہیں۔

پہلا منظرنامہ

اس خاصے قنوطیت زدہ (تاہم غیر ناگزیر) منظرنامے کے مطابق دنیا شدید عدم استحکام کی نذر ہوچکی ہے۔ انتہا پسندی اور دہشت گردی نے زندگی کے ہر شعبے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ یہ منظرنامہ اس مفروضے کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے کہ دہشت گرد گروپوں نے امریکہ کی سرزمین اور بیرون ملک اس کے اداروں پر حملوں کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ دہشت گردوں کی جانب سے پے درپے حملوں کے باعث امریکہ میں دیگر اقوام کا اعتماد ختم ہوچلا ہے۔ کل تک امریکہ سپر پاور تھا مگر اب اس کی طاقت میں خطرناک اور پریشان کن حد تک کمی واقع ہوچکی ہے۔

اس منظرنامے کے مطابق القاعدہ کے کئی قائدین ہلاک یا گرفتار کئے جاچکے ہیں مگر پھر بھی چند معاملات اب تک منظر عام پر نہیں لائے جاسکے یا توضیح کے طالب ہیں۔ چند تنازعات اب بھی حل طلب ہیں۔ فلسطینی ریاست کا معاملہ توجہ کا طالب ہے، وسط ایشیا میں روس کے اثرات کا دائرہ محدود کرنے کی کوششیں پوری طرح بار آور ثابت نہیں ہوسکیں اور مشرق وسطی کے بیشتر ممالک میں معیار زندگی پست سے پست تر ہوتا جارہا ہے۔ ۲۰۱۵ء کے پہلے منظرنامے کے مطابق مغربی دنیا کے لئے سیکورٹی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کو مؤثر طور پر حل کرنے کی کوششیں بیشتر بنیادی حقوق پر ڈاکہ ڈال چکی ہیں۔ مغربی دنیا کے باشندوں پر حکومت کی کڑی نظر رہتی ہے تاکہ کہیں، کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ مغربی دنیا میں تارکین وطن کی بڑھتی ہوئی تعداد نے حکومتوں کو شبہات میں مبتلا کردیا ہے۔ تمام غیر ملکیوں اور نسلی اقلیتوں پر گہری نظر رکھی جاتی ہے۔ غیر ملکیوں اور اقلیتوں کو شک اور تجسس کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مغربی دنیا کے بیشتر باشندے اب بیرون ملک جانے، کام کرنے اور وہاں قیام کرنے سے گریز کر رہے ہیں کیونکہ انہیں جانچ پڑتال کے ایک خاصے تکلیف دہ عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ بہت سے معاملات میں خدشات کے باعث مغربی دنیا اپنے آپ کو دوسروں سے الگ تھلگ کرنے پر تلی ہوئی ہے اور خاصی محصور ہوکر زندگی بسر کر رہی ہے۔ معیشت کو مسابقت سے بچانے کے لئے خصوصی پالیسیاں مرتب کی گئی ہیں۔ مغربی ممالک چاہتے ہیں کہ ان کی معاشی برتری کسی بھی قیمت پر برقرار رہے۔ بیشتر ممالک یہ چاہتے ہیں کہ ان کے باشندوں کی ملازمتیں ہر حالت میں سلامت رہیں اور ان ملازمتوں کو بیرونی اداروں کے حوالے نہ کیا جائے۔ بالکل اسی طرح ہر ملک اپنی معاشرت اور ثقافتی اقدار کو محفوظ رکھنے کے لئے کوشاں ہے۔

معاشی اور سیاسی مفادات کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے بڑے بین الاقوامی ادارے قائم کرنے کا رجحان اب ختم ہوچکا ہے۔ بیشتر ممالک چند چھوٹے ہم خیال ممالک سے بہتر تعلقات قائم کرنے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ چند بڑے بین الاقوامی اداروں کے بجائے اب چند ممالک پر مشتمل گروپ تشکیل پاچکے ہیں اور معاملات ان گروپوں کے درمیان ہی طے پاتے ہیں۔

دوسرا منظرنامہ

دنیا کی تقدیر میں بہت سی خوشیاں بھی تو ہوسکتی ہیں۔ ہم جو کچھ سوچتے ہیں اس سے ہٹ کر بھی بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ ہر معاملے میں قنوطیت پر مبنی سوچ اپنانا کسی طور پر سودمند نہیں ہوسکتا۔ ۲۰۱۵ء کا دوسرا ممکنہ منظرنامہ یہ ہے کہ معاشی معاملات میں ایک دوسرے کو قبول کرنے کی سوچ کو پروان چڑھایا گیا ہے۔ کاروباری اداروں نے بہتر اور قابل قبول اشتراک عمل سے ایک ایسی دنیا تشکیل دی ہے جس میں سب کے لئے بقا اور ترقی کی کچھ نہ کچھ گنجائش موجود ہے۔ چند حکومتیں ہی ایک دوسرے سے حقیقی مثبت تعاون کی بھرپور صلاحیت اور سکت رکھتی ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جس طرح کی بصیرت درکار ہے وہ پیدا کرنا ہر حکومت کی بات نہیں۔ چند بڑے بین الاقوامی کاروباری ادارے باہمی اشتراک عمل سے اپنے لئے بہتر کارکردگی کی راہ ہموار کررہے ہیں۔ دنیا بھر میں معاشی اور سیاسی سطح پر بدحواسی اور انتشار ہے۔ ایسے میں کارپوریٹ سیکٹر منظم ہوکر فوائد بٹور رہا ہے۔ اس منظرنامے میں پائی جانے والی دنیا مثالی قرار نہیں دی جاسکتی کیونکہ اس میں بھی بے یقینی، بدحواسی اور شدید انتشار پایا جاتا ہے تاہم دہشت گردی کا گراف قدرے گرا ہوا ہے اور بیشتر ممالک کے لئے سیکورٹی بڑا مسئلہ نہیں۔ اس منظرنامے میں پائی جانے والی دنیا کے تمام ممالک پنپنے کی گنجائش پیدا کرنے میں ناکام ہیں۔ کاروباری محاذ پر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوششیں اور سازشیں نمایاں ہیں۔

ایسے میں پسماندہ ممالک کے لئے افلاس اور پسماندگی کے چنگل سے نکلنا بظاہر ممکن نہیں۔ اس دنیا میں بیشتر ممالک افلاس، تشدد اور جرائم کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں۔ یورپ، شمالی امریکہ اور آسٹریلیا کے لئے خوشخبری یہ ہے کہ پسماندہ ممالک کے بیشتر مسائل مقامی نوعیت ہی اختیار کئے رہتے ہیں۔ کسی ایک خطے کی پسماندگی سے خوشحال خطے پریشان کن حد تک متاثر نہیں ہوتے۔

امریکہ اور توسیع پذیر یورپی یونین حالات کا بہتر ڈھنگ سے سامنا کرنے میں دوسروں سے زیادہ کامیاب ہیں۔ بیشتر معاملات میں یہ دونوں اپنے ہی مالیاتی اور قدرتی وسائل پر منحصر ہیں۔

بین الاقوامی تجارت کے میدان میں برآمدات پر عائد کی جانے والی مختلف پابندیوں سے جاپان، چین اور جنوب مشرقی ایشیا کی متعدد ابھرتی ہوئی معیشتوں کے لئے شدید مشکلات پیدا ہورہی ہیں اور ان کے معاشی فروغ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی ہوتی جارہی ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کی معیشتیں اس لئے بھی کمزور پڑتی جارہی ہیں کہ متعلقہ حکومتیں اپنے کاروباری اداروں کی بروقت مدد کرنے سے بھی قاصر ہوتی جارہی ہیں۔ دوسری جانب دنیا کے طاقتور ترین صارف چاہتے ہیں کہ ان کی قوت خرید میں مستقل اضافہ ہی ہوتا جائے۔ وہ بیشتر قدرتی وسائل سے بھی زیادہ سے زیادہ استفادہ کررہے ہیں اور دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے سے بھی گریز نہیں کررہے۔

اس دنیا میں مڈل کلاس تیزی سے ابھر رہی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں لوگ ایسی چیزوں کی خریداری میں زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں جو ان کے طرز زندگی میں سادگی پیدا کرے اور زیادہ سے زیادہ ضرورتوں کو پورا کرے۔ چین، بھارت، میکسیکو اور برازیل میں مجموعی طور پر دو ارب افراد مڈل کلاس کا حصہ ہیں۔ یہ لوگ اپنا معیاری زندگی متوازن کرنے کے لئے صرف کا معتدل رجحان اپنائے ہوئے ہیں۔ مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے افراد کاریں اور اپنا ذاتی مکان خریدنے میں بہت حد تک کامیاب ہیں تاہم مجموعی طور پر کوئی انقلاب رونما نہیں ہوتا کیونکہ دنیا بھر میں معاشی مشکلات برقرار ہیں۔ معیشتیں بحرانوں پر قابو پانے میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوسکی ہیں۔ حکومتیں بڑے کاروباری اداروں کو بہتر ڈھنگ سے کنٹرول کرنے میں ناکام ہیں کیونکہ کاروباری اداروں کو اچھی طرح چلانے کے لئے ماہرین بہتر پیکیج کی خاطر بڑے پرائیویٹ اداروں کا رخ کررہے ہیں۔

بجٹ پر بڑھتے ہوئے دباؤ اور معمر افراد کی تعداد میں غیر معمولی اضافے کے باعث حکومتیں صحت عامہ، فنی تربیت اور قانون کے نفاذ سے متعلق خدمات کے لئے پرائیویٹ اداروں کا رخ کر رہی ہیں۔ پرائیویٹ اداروں کی جانب سے چونکہ عوام کے لئے فراہم کی جانے والی خدمات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جارہا ہے اس لئے وہ عوام میں اپنے بارے میں پائے جانے والے تاثر کے حوالے سے بھی حساس ہوچلی ہیں۔ دوسری جانب شہری حقوق کے لئے جدوجہد کرنے والوں کی سرگرمیاں بھی بڑھتی جارہی ہیں تاکہ عوام کو ان کے تمام حقوق میسر ہوں۔

تیسرا منظرنامہ:

۲۰۱۵ء کے حوالے سے تیسرا ممکنہ یا متوقع منظرنامہ یہ ہے کہ امریکہ اور چین غیر معمولی قوت کے حامل ہیں اور ان کی مجموعی قوت دیگر تمام ممالک اور گروپوں کی قوت سے بڑھ کر ہے۔ امریکہ اور چین کی معاشی اور سیاسی قوت کو مزید مستحکم کرنے میں ان کی مستحکم آبادی نے مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ پیداواری شعبے میں ان کی کارکردگی اس لئے بھی بہتر ہے کہ اندرون ملک بھی اچھی خاصی کھپت کی گنجائش موجود ہے۔ اندرونی معاشی منڈی کا بڑھتا ہوا استحکام انہیں بین الاقوامی مارکیٹ میں بھی مزید بڑا کھلاڑی بنا رہا ہے۔ دونوں کے درمیان تصادم بھی ہوتا رہتا ہے تاہم مجموعی طور پر ایک دوسرے کو قبول کرنے کی فضا بھی موجود ہے۔

یہ فنی اور معاشی ترقی کا دور ہے۔ جدت کا بازار گرم ہے۔ تمام ہی ممالک اپنا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے بے تاب اور کوشاں ہیں۔ انفرادی خوشحالی کا گراف بھی بلند ہوتا جارہا ہے۔ بین الاقوامی تجارت مکمل طور پر آزاد نہیں ہوسکی ہے اور کئی خطے اس معاملے میں اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کررہے ہیں، تاہم کاروباری اور مالیاتی تفاعل بہت حد تک اطمینان بخش ہے۔

۲۰۱۵ء کے تیسرے منظرنامے میں طاقتور معاشی منڈیوں کے بڑے کاروباری ادارے جدت طرازی کے ذریعے اشیاء اور خدمات کا معیار بلند کررہے ہیں تاکہ عمومی معیار زندگی بلند ہو اور طرز زندگی میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہوں۔ خدمات کے شعبے میں کاروبار تیزی سے وسعت اختیار کررہا ہے۔ آن لائن کلچر نے اس بات کو ممکن بنا دیا ہے کہ دور افتادہ علاقے بہتر اشتراک عمل کے ذریعے ایک دوسرے کی صلاحیت اور سکت سے مستفید ہوں۔ عالمگیر پیمانے پر پیداوار اور اس کی تقسیم قابل رشک حد تک ممکن ہوچکی ہے۔ صارفین کی توقعات اور مطالبات میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے جس کے باعث کاروباری ادارے اپنی مصنوعات اور خدمات کا معیار بلند کرتے رہنے پر مجبور ہیں۔ جن اشیاء اور خدمات سے بہتر طور پر اور آسانی سے مستفید ہونا ممکن نہ ہو، صارفین ان کے لئے ذرا بھی نرم گوشہ اختیار کرنے کو تیار نہیں۔ ایسی اشیاء اور خدمات کو ترک کرنے میں ذرا بھی بخل سے کام نہیں لیا جاتا جو ازکار رفتہ ہیں یا جنہیں سمجھنے اور مستفید ہونے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی بھی شئے یا خدمت کی خریداری کے وقت اس کے ذہن میں جو توقعات تھیں وہ عملی شکل اختیار کریں۔ صارفین کی جانب سے بیشتر معاملات میں شعور کا مظاہرہ کاروباری اداروں کو اس بات کا پابند کررہا ہے کہ اشیاء اور خدمات کا معیار بلند کرتے رہنے پر توجہ دی جائے۔ ہر دور میں معاشروں کو تبدیل کرنے والے عوامل میں معاشی امور نے مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ معاشی معاملات طرز زندگی، ثقافت اور

باقی صفحہ ۸ پر

دعوت

۷/مارچ ۲۰۰۹ء

عام انتخاب کا اعلان

الیکشن کمیشن نے عام انتخاب کا اعلان کردیا ہے، اعلان کے مطابق یہ پارلیمانی انتخابات اپریل اور مئی میں ہوں گے تو تقریباً ۳۱، ۳۲ دن تک یہ عمل جاری رہے گا اور لوگوں کو اتنے دن تک نتائج کے اعلان کا انتظار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ رائے دہی کا یہ عمل ۱۶/اپریل سے شروع ہوجائے گا اور ۱۳/مئی تک چلتا رہے گا۔ یعنی پولنگ کا پہلا دن ۱۶/اپریل ہے اور آخری دن ۱۳/مئی۔ ظاہر ہے جب تک یہ عمل مکمل نہیں ہوجاتا۔ ووٹوں کی گنتی شروع نہیں کی جاسکتی۔ یہ عمل مزید طول پکڑ سکتا ہے اگر کہیں دوبارہ ووٹنگ کی نوبت آجائے، اگر آخری دن یعنی ۱۳/مئی کو ڈالے جانے والے ووٹ کے سلسلے میں کہیں کوئی شکایت درج کرائی گئی اور کمیشن کو محسوس ہوا کہ شکایت درست ہے اور دوبارہ ووٹ ڈالنے کی نوبت آئی تو یہ عمل مزید وسعت پاسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پورے ایک ماہ سے بھی زیادہ عرصے تک ملک میں ایک ہنگامی صورت رہے گی، چونکہ اس دوران تین ریاستی اسمبلیوں کے بھی انتخاب ہوں گے لہٰذا ہیجانی کیفیت اور بھی بڑھ جائے گی۔ اس بار یہ الیکشن مجموعی طور پر پانچ مرحلوں میں ہورہا ہے لیکن بعض ریاستوں اور حلقہ ہائے تحت مرکز میں اتنے مراحل درپیش نہیں آئیں گے بلکہ کہیں کہیں ایک ہی دن میں رائے دہندگان اس سے فرصت پالیں گے۔ کمیشن کے اعلان کے مطابق ووٹ ڈالنے کی تاریخیں ۱۶/ ۲۳/ اور ۳۰/اپریل اور ۷/و ۱۳/مئی ہیں۔ اترپردیش اور بہار جیسی آبادی کے لحاظ سے بڑی ریاستوں میں چار مراحل میں ووٹ ڈالے جائیں گے جبکہ مہاراشٹر اور مغربی بنگال میں تین مرحلوں میں، آندھرا پردیش میں دو ہی مرحلے میں یہ عمل پورا کرلیا جائے گا۔ اس بار کے عام انتخاب کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ درمیان میں ہی چیف الیکشن کمشنر این گوپالاسوامی ملازمت سے سبکدوش ہورہے ہیں۔ ادھر صدر جمہوریہ نے الیکشن کمشنر نوین چاؤلہ کو ہٹانے سے متعلق ان کی سفارش کو نامنظور کردیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب کمیشن کی کمان ان کے ہاتھ میں آجائے گی۔

اس بار کے عام انتخاب جن حالات میں منعقد ہورہے ہیں وہ بڑے عجیب وغریب ہیں۔ داخلی حالات بھی کئی پہلوؤں سے تشویش انگیز ہیں۔ سیاسی سطح پر افراتفری کی کیفیت طاری ہے۔ خوف ودہشت کے نقطۂ نظر سے جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل ہونا ابھی باقی ہے۔ اردگرد کے ماحول کا بھی اس پر اثر پڑ رہا ہے۔ عالمی حالات سے بھی یہاں کے حالات کا اثر انداز ہونا ایک فطری عمل ہے۔ دوسری طرف عالمی سطح پر معاشی مندی کا جو دور جاری ہے اس کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔ گوکہ کساد بازاری کا یہ عمل امریکہ سے شروع ہوا اور دیکھتے دیکھتے یورپ تک پہنچ گیا لیکن اس نے پوری دنیا کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ یہ صورتحال بگڑی ہی چلی جارہی ہے اور جو طوفان اٹھا ہے وہ روز بروز مہیب شکل اختیار کرتا چلا جارہا ہے۔ امریکہ اور یورپی ممالک جوں جوں حالات کو سدھارنے کی کوشش کررہے ہیں حالات بگڑتے ہی چلے جارہے ہیں۔ ہندوستان کا بھی اس سے متاثر ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اس الیکشن پر اس کے اثرات بھی نظر آرہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس بار سیاسی پارٹیوں میں وہ گرم جوشی نظر نہیں آرہی ہے جو ایسے موقعوں پر دیکھنے میں آتی ہے۔ ان کے پاس عوام کو لبھانے کے لئے کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ خوشنما نعروں کا بھی کوئی موقع نہیں ہے۔ الیکشن کے اخراجات کس طرح پورے ہوں گے اس بار ان کی فکرمندی کا ایک پہلو یہ بھی ہے، اس لئے کہ بڑے صنعت کاروں کی دکانیں خود ٹھنڈی پڑی ہوئی ہیں۔ حالات کے مستقبل قریب میں سدھرنے کے امکانات بھی نہیں ہیں۔ عوام کی تسلی کے لئے خواہ وہ کچھ بھی کہیں لیکن انہیں تو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ حالات کس رخ پر جارہے ہیں اور آنے والے دنوں میں امید کی جوت جلانے کی کوئی ٹھوس بنیاد ان کے پاس نہیں ہے۔ دیکھنا ہے کہ سیاسی جماعتیں اس صورتحال میں اپنے لئے کیا راہ نکالتی ہیں۔

پڑوسی ملک پاکستان میں اس طرح کے حالات بے حد تشویشناک ہیں

دوسرے پر الزام تراشی کے بجائے سیکورٹی کے نظام کو درست کرنے اور ان حالات کو بدلنے کی ضرورت ہے جو پاکستان سے امن کو دور کر رہے ہیں

پڑوسی ملک پاکستان میں گزشتہ دو برسوں سے جو کچھ ہورہا ہے وہ نہ صرف اس ملک کے لئے بلکہ پورے خطے کے لئے انتہائی تشویشناک ہے۔ سبھی کو یہ فکر لاحق ہوگئی ہے کہ آخر پاکستان کدھر جارہا ہے۔ وہاں حکومت نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں یا حکومت عسکریت پسندوں کے سامنے بے بس ہے۔ عسکریت پسند جب اور جہاں چاہتے ہیں بم دھماکے کردیتے ہیں یا حملے کردیتے ہیں، انہیں روکنے اور سمجھانے والا کوئی نہیں ہے اور نہ ہی ان پر کسی کا کنٹرول ہے۔ لوگ ابھی ۲۶/نومبر ۲۰۰۸ء کے ممبئی حملوں کو بھول بھی نہیں سکے تھے جس کی مار اس وقت پاکستان جھیل رہا ہے کہ لاہور میں قذافی اسٹیڈیم جاتے ہوئے سری لنکائی کرکٹ ٹیم پر حملے نے نہ صرف پاکستان میں سیکورٹی کے نظام بلکہ اس کے مستقبل پر ہی سوالیہ نشان لگا دیا۔ اس حملے نے پاکستان میں بین الاقوامی کھیل کود کے مقابلوں کے انعقاد کے دروازے تو بند کر ہی دیئے، ملک کے حق میں سب سے برا یہ ہوا کہ پوری دنیا میں یہ پیغام چلا گیا کہ وہاں کوئی بھی غیر ملکی محفوظ نہیں ہے۔ کوئی بعید نہیں کہ مغربی ممالک اپنے شہریوں کو یہ مشورے دینے لگیں کہ وہ پاکستان کا سفر نہ کریں کیونکہ جب وہاں انتہائی سیکورٹی میں رہنے والی غیر ملکی کرکٹ ٹیم محفوظ نہیں ہے تو عام آدمی اپنے آپ کو محفوظ کیسے سمجھ سکتا ہے۔

حیرت ہے کہ پاکستانی حکام نے سری لنکائی کرکٹ ٹیم کے دورے کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانے اور سیکورٹی کے تعلق سے پوری دنیا کو ایک مثبت پیغام دینے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ یہ دورہ ایسے وقت ہوا تھا جب دنیا کی کوئی کرکٹ ٹیم سیکورٹی کے مسئلے پر پاکستان کا دورہ کرنے کو تیار نہیں تھی، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ہندوستان اور کئی ممالک نے وہاں کا دورہ کرنے سے انکار کردیا تھا حتیٰ کہ انٹرنیشنل کرکٹ کنٹرول (آئی سی سی) نے پاکستان سے چیمپئن ٹرافی کی میزبانی چھین لی۔ اب تو آئی سی سی نے سری لنکائی کرکٹ ٹیم پر حملے کے بعد یہ بھی کہہ دیا ہے کہ پاکستان انٹرنیشنل میچ کرانے کے لائق نہیں ہے۔ اب تو ۲۰۱۱ء کے عالمی کرکٹ کپ کی میزبانی بھی خطرے میں پڑگئی جس کا انعقاد ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور سری لنکا کو مشترکہ طور پر کرنا تھا۔ اب عالمی کرکٹ کپ کا کوئی میچ شاید ہی پاکستان میں ہو۔ سری لنکا کے دورے سے امید کی جو کرن نظر آرہی تھی حملے سے پوری کرکٹ دنیا کو سخت مایوسی ہوئی ہے۔ غور طلب امر تو یہ ہے کہ پاکستان نے اس سلسلے میں ماضی کے واقعات سے کوئی سبق نہیں لیا۔ مئی ۲۰۰۲ء میں بھی پاکستان اور نیوزی لینڈ کے درمیان دوسرا ٹیسٹ شروع ہونے سے کچھ ہی وقت پہلے ایک خودکش حملہ ہوا تھا جس میں چودہ افراد مارے گئے تھے۔ اگرچہ نیوزی لینڈ کی ٹیم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا لیکن اس خودکش حملے کی وجہ سے کرکٹ سیریز رد ہوگئی اور نیوزی لینڈ کی ٹیم واپس چلی گئی تھی، پھر بھی ایسے حالات میں جب پاکستان کی سیکورٹی پر پوری دنیا میں سوالات اٹھائے جارہے ہیں، سری لنکا کی کرکٹ ٹیم کو وہ سیکورٹی نہیں فراہم کی گئی جس کی ضرورت تھی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ سری لنکائی ٹیم کو ایک تو ہوٹل سے اسٹیڈیم جاتے وقت سیکورٹی کم فراہم کی گئی، دوسرے ان کے لئے بلیٹ پروف بس کا انتظام بھی نہیں کیا گیا۔ یہ تو غنیمت ہے کہ ۸ ہلاک شدگان میں سے چھ محافظ اور دو سویلین تھے جنھوں نے اپنی جان پر کھیل کر سری لنکائی ٹیم کو بچایا اور مہمان ٹیم کے چھ کھلاڑی اور ایک معاون کوچ زخمی ہوئے ورنہ پاکستان کی پریشانی اور بھی بڑھ جاتی، سیکورٹی کی وجہ سے ۲۰۰۲ء میں نیوزی لینڈ اور اب سری لنکا کا دورہ منسوخ ہونے سے پاکستان میں بین الاقوامی کرکٹ کا مستقبل تاریک نظر آنے لگا ہے۔

حال ہی میں پاکستان میں دو حملے ایسے ہوئے ہیں جن سے وہاں کی سیکورٹی پر سوالیہ نشان لگ گیا ہے۔ ایک تو سری لنکائی کرکٹ ٹیم پر دوسرے میریٹ ہوٹل میں بم دھماکے، وہ ہوٹل بھی اسلام آباد کے ہائی سیکورٹی زون میں واقع ہے۔ کیونکہ اس ہوٹل کے قریب ہی پارلیمنٹ، وزیراعظم کی رہائش گاہ اور ایوان صدر واقع ہے۔ شاید اسی لئے غیر ملکی سفارتکار، سیاح اور تاجر اس ہوٹل میں قیام کو ترجیح دیتے ہیں اور اس میں ہمیشہ ان کی بڑی تعداد قیام پذیر ہوتی ہے پھر بھی عسکریت پسند اس کو بھی نشانہ بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب سے وہاں پرویز مشرف کی قیادت فوجی حکومت قائم ہونے کے بعد سیاسی عدم استحکام کا مسئلہ پیدا ہوا ہے دن بدن سیکورٹی کی صورت حال خراب ہوتی جارہی ہے۔ اس سے قبل جب پرویز مشرف کے دور حکومت میں سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو کا قتل ہوا تھا تو پیپلز پارٹی نے اس کے لئے اس وقت کی حکومت، سیکورٹی اور انٹلیجنس ایجنسیوں کو مورد الزام ٹھہرایا تھا۔ آج خود پیپلز پارٹی اقتدار میں ہے اور مسز بھٹو کے شوہر آصف علی زرداری صدر بنے ہوئے ہیں تو وہ ایسے حملوں کو کیوں نہیں روک پارہے ہیں۔

سری لنکائی کرکٹ ٹیم پر حملے کے بعد ہندوستان اور پاکستان دونوں نے اپنے سیاسی فائدے ونقصان کو سامنے رکھ کر بیان بازی کی۔ ہندوستان نے اسے پاکستان میں دہشت گردی کے نیٹ ورک کی موجودگی سے تعبیر کیا جبکہ پاکستان نے اسے ملک کو بدنام کرنے کی سازش قرار دیتے ہوئے دبے الفاظ میں ہندوستان کا ہاتھ ہونے اور ممبئی حملے کا انتقام بتایا ہے۔ حقیقت جو بھی ہو یہ حملہ ایسے وقت ہوا ہے جب امریکی حکومت پاکستان پر طالبان اور القاعدہ کے خلاف مزید سخت کارروائی کے لئے دباؤ ڈال رہی ہے اور امریکی صدر بارک حسین اوباما یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان دہشت گردوں کے لئے محفوظ پناہ گاہ بن گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان وادی سوات میں امن مذاکرات میں مصروف ہے۔ وہاں شرعی قوانین کے نفاذ کی منظوری سے قیام امن کی امید کی جارہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سری لنکائی کرکٹ ٹیم پر حملے کے پیچھے ان لوگوں کا ہاتھ ہو جو سوات میں قیام امن اور امن مذاکرات کامیاب ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے ہوں، اور یہ پاکستان کو بدنام کرنے کی سازش ہو لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے حکومت پاکستان ہمیشہ تیار کیوں نہیں رہتی۔ مغربی ممالک کی اندھی حمایت میں وہ خود اس بات کو بھول گئی ہے کہ ملک پر اس کے کتنے خطرناک اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ سوال حملوں اور دھماکوں نیز ملک کو بدنام کرنے کی سازش کا نہیں ہے حکومت پاکستان کب تک اپنی ذمہ داریوں سے بھاگتی رہے گی۔ ●●

صومالیہ — امید وناامیدی کے دوراہے پر

عدنان رضا

۱۹۹۱ء میں جب صومالیہ میں صدر، سعید برّے کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو ملک کے مختلف علاقوں پر قبائلی سردار قابض ہوگئے، لاقانونیت ظلم اور غربت حد سے بڑھ چکی تھی۔ بھوک اور افلاس کی فراوانی تھی، بنیادی ضروریات حتیٰ کہ پانی کے لئے مسلح لڑائیوں کا چلن عام تھا، لوٹ مار، چوری اور رہزنی سے پریشان صومالیوں نے مقامی سطح پر اسلامی عدالتیں قائم کرکے شریعت کے مطابق سزائیں دینا شروع کردیں۔ رفتہ رفتہ ان عدالتوں نے اتحاد کرلیا، جس میں بعض مسلح تنظیمیں بھی شامل ہوگئیں، جسے اسلامی کورٹس یونین کا نام دیا گیا۔ فوری انصاف کی فراہمی اور امن وامان کے قیام کی وجہ سے اس اتحاد کو بھرپور عوامی تائید حاصل ہوئی۔ پھر اسلامی کورٹس یونین نے صومالیہ میں نفاذ شریعت کے لئے جدوجہد شروع کردی۔ ۱۹۹۱ء سے رواں سال کے آغاز تک ملک میں عملاً حکومت کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ۲۰۰۰ء میں قبائلی سرداروں اور سیاسی رہنماؤں نے جبوتی کانفرنس میں عبوری حکومت کے قیام پر اتفاق کیا، اعلامیے کے مطابق، عبوری حکومت کی ذمے داری ملک میں انتخابات کا انعقاد کرواکر اقتدار، منتخب ڈھانچے کے سپرد کرنا تھا۔

عبوری حکومت قائم بھی ہوئی، مگر حالات بہتر نہ ہوسکے۔ انتخابات کا انعقاد نہ ہوسکا۔ بات چیت اور مفاہمت کے متعدد دور ہوئے، مگر اتفاق رائے نہ ہوا۔

۲۰۰۶ء میں دارالحکومت موغادیشو میں محاکم الاسلامیہ (اسلامک کورٹس یونین) قابض ہوگئی۔ ابتداء ہی سے یہ تنظیم دو دھڑوں میں منقسم تھی۔ ایک سلفیہ، جس کی قیادت شیخ حسن دہیر اویس اور دوسرا قطبیہ، جس کی سربراہی شیخ شریف احمد کررہے ہیں۔ شیخ اویس کا نام امریکہ کی تیار کردہ، دہشت گردوں کی فہرست میں شامل ہے اور امریکہ ان کا تعلق القاعدہ سے جوڑتا ہے۔ اسلام پسندوں نے دارالحکومت موغادیشو کا کنٹرول سنبھال کر ملک میں شریعت نافذ کرنے کا اعلان کردیا، جو ظاہر ہے، امریکہ اور مغرب کے لئے کسی طور پر قابل قبول نہیں تھا، لہٰذا امریکی ایماء پر پڑوسی ملک ایتھوپیا نے صومالیہ پر لشکرکشی کردی۔ صومالیہ میں ایتھوپین فوج کی آمد پر اسلام پسند اقتدار سے علیٰحدہ ہوگئے اور گوریلا لڑائی شروع کردی، یوں امید کی کرن ایک بار پھر دھندلا گئی۔ ملک ایک بار پھر آتش وآہن میں جھلسنے لگا۔ ایتھوپین فوج کو عبوری حکومت اور امریکہ کی حمایت حاصل تھی۔ اسلام پسندوں کے خاتمے کے لئے بھرپور قوت کا استعمال کیا گیا، کیونکہ امریکہ جانتا تھا کہ اگر صومالیہ میں اسلام پسند امن اور شریعت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے تو نفاذ شریعت اور حصول انصاف کی یہ تحریک پورے افریقہ میں پھیل جائے گی، جس سے خطے میں امریکی مفادات کو نقصان کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا ایتھوپین فوج کی پشت پناہی کرتے ہوئے امریکی جنگی ہیلی کاپٹرز نے اسلام پسندوں کے مبینہ ٹھکانوں کو نشانہ بنایا۔ دنیا میں امن پسندی کے دعویداروں نے مقصد پورا ہونے کے بعد پلٹ کے خبر تک نہ لی، مگر صومالیہ افلاس، بدامنی اور دہشت گردی کی آگ میں جلتا رہا۔ تقریباً تین سال کے قیام کے باوجود ایتھوپیا، صومالیہ پر سے اسلام پسندوں کی گرفت کمزور نہیں کرسکا اور صومالیہ کے اکثر علاقے اسلام پسندوں کے کنٹرول میں رہے۔ اس دوران عبوری حکومت، دارالحکومت موغادیشو تک محدود رہی۔

صومالیہ کے اہم پارلیمانی رہنما ملک میں لاقانونیت کی وجہ سے پڑوسی ملک جبوتی میں مقیم رہے اور وہیں سے اقوام متحدہ کی زیر نگرانی بات چیت کا عمل جاری رکھا۔ اسی بات چیت کے نتیجے میں ایتھوپین فوج صومالیہ سے نکلنے پر مجبور ہوگئی۔ ساتھ ساتھ اپوزیشن اتحاد الائنس فار دی لبریشن کے ۱۵۰ اراکین پارلیمنٹ نے حلف اٹھالیا۔ پھر جنگ وجدل سے تباہ حال صومالیہ، جو گزشتہ چند ماہ سے بحری قزاقوں کی وجہ سے عالمی برادری کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا، ایک بار پھر اسلام پسند رہنما، شیخ شریف احمد کے صدر منتخب ہونے کے بعد شہ سرخیوں میں آگیا، صدر شیخ شریف کے برسراقتدار آنے کے بعد امید کی شمعیں پھر سے روشن تو ہوگئی ہیں، مگر الشباب اور قبائلی سرداروں کی مزاحمت، بین الاقوامی مداخلت کا تدارک، غربت کا خاتمہ، امن وامان کا قیام اور بحری قزاقی جیسے مسائل کا سدباب ایک مشکل ٹاسک ہے۔

امریکہ، صومالیہ میں جاری خانہ جنگی سے کافی متفکر ہے اور اس کی پریشانی کی وجہ قیمتی انسانی جانوں کا زیاں نہیں ہے بلکہ امریکی انٹلیجنس کی وہ رپورٹس ہیں، جن کے مطابق صومالیہ میں جاری خانہ جنگی اور افراتفری سے القاعدہ فائدہ اٹھاسکتی ہے اور صومالیہ افریقہ میں القاعدہ کی محفوظ پناہ گاہ بن سکتا ہے۔ اسی لئے ایک طرف جبوتی میں مسئلے کے حل کے لئے بات چیت کا عمل جاری تھا تو دوسری طرف امریکہ، بحری قزاقی اور امن وامان کی مخدوش صورتحال کو جواز بناکر اقوام متحدہ پر صومالیہ میں امن فوج کی تعیناتی کے لئے مستقبل دباؤ بڑھاتا رہا۔ اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری بان کی مون نے امریکی مطالبہ یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ صومالیہ میں امن فوج کی تعیناتی کے لئے دنیا میں بہت محدود حمایت پائی جاتی ہے اور اس صورت میں اگر امن فوج صومالیہ جاتی ہے تو زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ عالمی امن فوج بھیجنے کے بجائے وہاں موجود افریقی یونین کی فوج کو مضبوط کیا جائے۔ اس وقت دارالحکومت موغادیشو کی حفاظت کے لئے افریقی یونین کے تین ہزار دو سو فوجی موجود ہیں۔ صومالیہ سے ایتھوپین فورسز کے انخلاء کے بعد شدت پسند گروپ، الشباب نے دارالحکومت موغادیشو کے بعض علاقوں اور اس کے قریب واقع بائیڈوآ پر قبضہ کرلیا ہے۔ الشباب اسلامی کورٹس یونین ہی کا عسکری ونگ ہے۔ الشباب نے اپنے سابقہ حلیف صدر، شیخ شریف پر مغربی طاقتوں کے آلۂ کار بننے کے الزامات لگا کر ان کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے۔

اقتدار کی کشمکش میں مگن سیاسی رہنماؤں کی ناکامی، غربت اور بھوک سے تنگ آکر، صومالیہ میں ساحلی پٹی کے مکینوں نے بحری قزاقی شروع کردی اور رفتہ رفتہ یہ پیشہ ایک منفعت بخش کاروبار بن گیا۔ صومالیوں کی ایک بڑی اکثریت کی دال روٹی کا انحصار ماہی گیری کے شعبے سے تھا، مگر صومالی ساحل کے قریب غیر ملکی کمپنیز کے بڑے بڑے ٹرالرز جدید ٹیکنالوجی سے ساری مچھلیاں پکڑ کرلے جانے کی وجہ سے یہاں کے ماہی گیروں کے گھروں میں فاقے پڑنے لگے۔ ماہی گیری سے مایوس ہوکر جب صومالیہ کے باشندوں نے زراعت کی جانب توجہ مرکوز کی تو بدقسمتی نے یہاں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑا، صومالیہ کے ساحلی پٹی، جو جوہری فضلے کا عالمی ''کوڑا دان'' بنی ہوئی ہے، اس کی تابکاری کے اثرات سے نہ صرف یہاں کے مکینوں میں موذی امراض پھوٹ پڑے بلکہ زرعی فصلیں بھی محفوظ نہیں رہیں۔ افلاس اور غربت کے مہیب سائے میں اب حالیہ حکومت عوام کے لئے دوبارہ امید کی کرن لے کر آئی ہے۔ ●●

صدر اوباما کو درپیش خارجہ پالیسی کے چیلنجز

کوکب فرشوری

خارجہ پالیسی میں صدر بارک اوباما کے سامنے جو چیلنجز موجود ہیں واشنگٹن میں موجود مبصرین کے مطابق ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے نمٹنے کے لئے امریکی حکومت کے پاس بہت زیادہ وقت ہے یا نئے تجربات کرنے کی گنجائش۔ مثلاً صدر اوباما نے عراق سے ۲۰۱۰ء تک بیشتر امریکی فوجیوں کو واپس بلانے کا اعلان تو کردیا ہے لیکن دفاعی امور کے ماہرین کے مطابق اگر عراق میں تشدد کی کارروائیاں ۲۰۰۶ء اور ۲۰۰۷ء کی سطح پر چلی گئیں تو امریکہ کے لئے اپنے موجود فیصلے پر عمل کرنے کی راہ میں مشکلات آسکتی ہیں۔ اسی لئے اس وقت عراق کے حوالے سے امریکہ کے سامنے ایک بڑا چیلنج یہ ہے کہ عراق میں سیاسی عمل کو مضبوط بنانے میں مدد دی جائے کیونکہ وہاں دیرپا امن کے لئے خود عراقی ہی زیادہ موثر کردار ادا کرسکتے ہیں۔

معتدل سیاسی رائے رکھنے والے ایک تھنک ٹینک بروکنگز سے وابستہ مائک اوہالن کہتے ہیں کہ سیاسی عمل میں استحکام ضروری ہے کیونکہ صرف انتخابات کے مسلسل انعقاد سے جمہوریت مضبوط نہیں ہوسکتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات انتخابات کے نتیجے میں پہلے سے موجود سیاسی اختلافات مزید بڑھ جاتے ہیں۔

دوسری طرف افغانستان میں امن کا قیام بھی نئی انتظامیہ کے لئے ایک بہت بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ صدر اوباما نے افغانستان کے لئے مزید فوجیں بھیجنے کا اعلان تو کردیا ہے لیکن ان کے ناقدین کے مطابق افغانستان کے لئے اوباما کی حکمت عملی پوری طرح واضح نہیں ہے۔ واشنگٹن میں ہونے والے افغان امریکی اعلیٰ حکام کی ملاقاتوں میں افغانستان اور خطے کے لئے امریکی پالیسی کا ازسرنو جائزہ لیا گیا۔ افغان حکومت کا کہنا ہے کہ جائزہ لئے جانے سے مراد افغانستان کے لئے امریکی پالیسی میں یکسر تبدیلی یا عدم دلچسپی نہیں ہونی چاہئے۔

افغان وزیر دفاع عبدالرحیم وردک کہتے ہیں کہ حکمت عملی میں تبدیلی کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہئے کہ افغانستان میں ایک مرکزی حکومت کے قیام کی کوشش ترک کردی جائے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو افغانستان میں تباہی پھیلانے والے عناصر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوجائیں گے۔

۲۰۰۸ء کے صدارتی انتخاب میں صدر بارک اوباما کے حریف سینیٹر جان میک کین کے مطابق افغانستان میں استحکام کے لئے امریکی حکومت کو فوجی اقدامات کے ساتھ ساتھ افغانستان کے سماجی شعبے کی مدد کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

سینیٹر جان میک کین کا کہنا ہے کہ افغانستان میں مشکلات کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ وہاں کے عوام مغربی ممالک کے مخالف جذبات رکھتے ہیں، بلکہ اس کی اصل وجہ ہماری ناکام پالیسیاں ہیں۔ ہم نے افغانستان کی جنگ کو بغیر مناسب تعداد میں فوجی بھیجے اور وہاں کے سماجی شعبے کی مناسب مدد کے بغیر جیتنے کی کوشش کی۔ ہمیں افغانستان کو مزید مالی امداد دینی چاہئے۔

اسی خطے میں اوباما انتظامیہ کے لئے خارجہ پالیسی کا ایک بہت بڑا چیلنج پاکستان اور بھارت کے درمیان امن کا قیام ہے۔ ماضی میں کئی بار دونوں ممالک امن کی راہ پر گامزن ضرور نظر آئے لیکن ممبئی میں ہونے والے دہشت گردی کے حملوں کے بعد پاک بھارت دوریاں پہلے کے مقابلے کافی بڑھ گئی ہیں۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ ویسے تو پاکستان اور بھارت کے درمیان خوشگوار تعلقات خطے میں امن کے لئے ضروری ہیں ہی لیکن ان میں استحکام اس لئے بھی ضروری ہے کیونکہ اگر پاکستان کی توجہ بھارت کے ساتھ کشیدگی پر مرکوز رہی تو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اس کی کوششوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

عراق، افغانستان، پاکستان اور بھارت کے ساتھ ساتھ شمالی کوریا اور ایران بھی اوباما انتظامیہ کی خارجہ پالیسی ترجیحات کا حصہ ہیں۔ لیکن مبصرین کا کہنا ہے کہ ان چیلنجز سے بخوبی نمٹنے کا تمام تر دارومدار صرف امریکی حکومت کی کوششوں پر نہیں ہوگا کیونکہ اس سلسلے میں اسے عالمی برادری کی بھرپور حمایت کی ضرورت بھی پڑے گی جس کا حصول بذات خود ایک اہم مرحلہ ہے۔ ●●

فکر معاصر

بڑھتے مسائل

مسائل سے گھری دنیا مسائل کو حل کرنے کی کوشش میں مزید مسائل سے گھرتی چلی جارہی ہے۔ یہ بڑی تشویشناک بات ہے لیکن بعض مسائل ایسے ہیں جن کا حل کسی بھی طرح ممکن نہیں ہو پا رہا ہے۔ جس جس طرح مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مسائل بڑھتے جاتے ہیں۔ روٹی انسان کی پہلی ضرورت ہے۔ یہ روز ازل سے آج تک اسی شدت سے برقرار ہے جس طرح آفرینش میں تھی اس کا اہتمام روزگار کے ذریعے ہی ممکن ہے اس لئے ہر شخص کوئی نہ کوئی ایسا کام ضرور کرتا ہے جس سے وہ دو پیسے حاصل کرکے ایک ٹکڑا روٹی کا بندوبست کرسکے، لیکن تمام کوششوں کے باوجود دنیا کے سبھی انسانوں کے لئے ایسے ذرائع نہیں کہ سبھی کچھ نہ کچھ کرکے روٹی کا بندوبست کرسکیں۔ جو بہت ترقی یافتہ اور خوشحال ممالک ہیں ان میں بھی بیروزگاری کا مسئلہ ہے جبکہ غریب اور پسماندہ ممالک تو سب سے زیادہ اسی مسئلے سے پریشان ہیں۔ یہ مسئلہ کسی طرح حل ہو تو وہ کچھ اور سوچنے اور کرنے کے اہل ہوسکتے ہیں۔ امریکہ کی ناکام سیاسی حکمت عملی کے سبب وہاں جو مالی بحران پیدا ہوا وہ عالمی بحران بن کر تمام عالم کے لئے باعث پریشانی ہے۔ امریکہ میں لاکھوں لوگ روزگار سے ہاتھ دھو رہے ہیں، کتنی ہی کمپنیاں بند ہوگئی ہیں، اس کا شدید ردعمل دوسرے ممالک پر ہورہا ہے۔ بعض ممالک دعویٰ کرتے تھے کہ ان کا معاشی نظام بالکل درست اور چست ہے۔ ان کو عالمی مالی بحران سے کوئی پریشانی نہیں ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں ثابت ہورہی ہے۔ جرمنی اور جاپان تک عالمی مالی بحران سے متاثر ہورہے ہیں، ایسے میں کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ بعض ممالک عالمی مالی بحران سے بالکل محفوظ ہیں۔ ہندوستان کا بھی دعویٰ تھا کہ اس کا عالمی مالی بحران سے کوئی واسطہ نہیں ہے، لیکن اب ثابت ہورہا ہے کہ ہندوستان بھی عالمی مالی بحران سے بچا ہوا نہیں ہے، اسی لئے وزیر مالیات پرنب مکھرجی نے کمپنیوں سے کہا ہے کہ وہ کسی بھی حال میں اپنے ملازمین میں تخفیف نہ کریں۔ انھوں نے یہاں تک کہا کہ اگر کچھ بھی ممکن نہ ہوسکے تو ملازمین کی تعداد کم کرنے کے بجائے ان کی تنخواہیں کم کردی جائیں مگر ان کو بیروزگار نہ کیا جائے۔ ہندوستان میں بیروزگاری کا مسئلہ اس لئے بھی سنگین ہے کہ یہاں کے لوگوں کا طرز فکر بھی بڑا فرسودہ ہے یہاں لوگ آج بھی نوکری کرنا اچھا سمجھتے ہیں۔ اس میں سرکاری ملازمت اور اس میں بھی مرکزی حکومت کی ملازمت کو بہت پسند کرتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مرکزی حکومت کی ملازمت سے بہت فوائد اور سہولیات حاصل ہوتی ہیں جبکہ آمدنی اور تنخواہ کا ہر حال میں مقررہ تاریخ پر ملنا بالکل یقینی ہوتا ہے۔ لاٹ صاحبی کا موقع ملتا ہے اور کرنا کچھ بھی نہیں پڑتا جبکہ کاروبار کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور بہت محنت کرنا پڑتی ہے پھر بھی منافع اور فائدہ یقینی نہیں ہوتا، لیکن یہ طرز فکر ہی نوجوانوں کو خود روزگار کے ذرائع تلاش کرنے سے روکتا ہے۔ اب لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ ملازمت اور سرکاری ملازمت ہر ایک کو نہیں مل سکتی پھر اس میں اضافہ ہونے کے بجائے تخفیف ہی ہونا بالکل یقینی ہے کہ اب آدمیوں کی جگہ مشینوں کا کہیں زیادہ استعمال ہونے لگا۔ جو کام دس آدمی کرتے تھے اب ایک مشین اس کام کو بحسن وخوبی کرتی ہے۔ اس لئے اب روزگار کے ذرائع کم ہونا بالکل فطری امر ہے۔ ایسے میں عالمی مالی بحران سے مسئلہ اور بھی سنگین ہوگیا ہے کہ بڑی بڑی کمپنیاں سمٹ رہی ہیں۔ اپنا کاروبار ختم کررہی ہیں یا بند ہورہی ہیں جس سے لوگوں کا بڑی تعداد میں بیروزگار ہونا بالکل یقینی ہے۔ دنیا اتنی سمٹ گئی ہے کہ پوری دنیا ہی ایک گاؤں بن گئی ہے ایسے میں دنیا میں کہیں بھی کچھ بھی ہوتا ہے اس کا اثر پوری دنیا پر پڑتا ہے۔ دنیا میں بڑی تیزی سے بیروزگاری بڑھ رہی ہے تو جن ممالک میں فی الحال اس کے بڑھنے کی امید نہیں ہے وہ بھی متاثر ہورہے ہیں۔ ایسے میں جن ممالک کی مالی حالت بہتر ہے وہ خودغرضی سے کام لے رہے ہیں اور ایسا کررہے ہیں کہ ان کے وسائل ان کے ہی ملک کے لوگوں کے لئے محفوظ رہیں وہ غیر ملکی افراد کو الگ کررہے ہیں جبکہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کی معاشی حالت پر کوئی خاص برا اثر نہیں پڑے گا۔ (روزنامہ ''آگ''، لکھنؤ)

صہیونی دہشت گردی کی تاریخ بہت پرانی ہے

قرآن مجید میں صہیونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے''۔ (البقرہ:٦١) تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں ٤٣ نبیوں اور ایک سو ستر صلحاء کو قتل کیا۔ صلحاء اور معصوموں کو قتل کرنے کی اپنے اسلاف کی روایت کو بنی اسرائیل نے ہنوز جاری رکھا ہوا ہے۔

اسرائیل کے قیام کے مرحلے کے دوران ہی صہیونی دہشت گردی شروع ہوگئی تھی۔ ١٩٣٩ء میں اپنی دہشت گردانہ کارروائیوں میں صہیونی دہشت گردوں نے چار سو فلسطینی شہید کئے۔ صہیونی دہشت گرد فلسطینیوں کے دیہاتوں پر حملہ آور ہوکر قتل وغارتگری کرکے قبضہ کرلیتے۔ تقریباً سات سو فلسطینی دیہات اور قصبے صہیونی دہشت گرد تنظیموں کا نشانہ بنے۔ انھی میں ایک دیریاسین ہے۔ ٩ر اپریل ١٩٤٨ء کو صبح ساڑھے چار بجے یہودی دہشت گردوں کے دو گروہ ''ارگن اور سٹرن'' دیریاسین پر حملہ آور ہوئے۔ وہ مشین گنوں سے لیس تھے۔ سات سو افراد پر مشتمل اس گاؤں کے ٢٥٤ افراد کو انھوں نے دیکھتے ہی دیکھتے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہر طرف خون ہی خون اور بربادی کے مناظر تھے۔ آہیں اور سسکیاں تھیں، بچوں کی تڑپتی لاشیں تھیں۔ بدترین سفاکیت کا منظر تھا۔

عینی شاہد محمد عارف بتاتا ہے: ''جتنی عورتیں بھی ان کے ہاتھ لگیں سنگینوں سے انھوں نے ان کے پیٹ چاک کردیئے، انھوں نے عورتوں کے زیورات بھی اتار لئے، زیورات اتارنے میں کوئی دقت پیش آئی تو انھوں نے بازو اور انگلیاں کاٹ دیں''۔ برطانوی انکوائری افسر اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل رچرڈ نے تصدیق کرتے ہوئے مزید بتایا کہ اسکول کی لڑکیوں کو بڑی تعداد میں زیادتی کے بعد قتل کیا گیا۔ بچوں کو بھی بڑی تعداد میں ذبح کرکے مارا گیا''۔ صہیونی رہنما بیگن نے اس سفاکیت کو اسرائیلی تاریخ کا سنہری باب قرار دیا۔

صابرہ اور شتیلا میں ستمبر ١٩٨٢ء کا قتل عام بھی اسرائیلی درندگی کا ایک ہولناک نمونہ ہے۔ ١٦ر اور ١٨ر ستمبر کے درمیان کم وبیش ٣٥٠٠ فلسطینیوں کو ذبح کیا گیا۔ ایک برطانوی میڈیکل لیڈی ڈاکٹر جو اس وقت بیروت میں تھی، کا کہنا ہے: ''گولیاں مار کر قتل کرنے سے پہلے لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ انہیں وحشیانہ طریقے سے پیٹا گیا تھا۔ بازوؤں اور ٹانگوں کے گرد بجلی کی تاریں باندھی گئی تھیں۔ آنکھیں نکال دی گئی تھیں۔ بیشتر خواتین کے ساتھ قتل سے پہلے اجتماعی زیادتی کی گئی تھی۔ بچوں کو بارود سے اڑا دیا گیا تھا''۔

فلسطینی مہاجرین کا شتیلا کیمپ لبنان کی سرحد پر واقع تھا۔ ایک عینی شاہد منیر احمد بتاتا ہے: ''میری عمر اس وقت بارہ سال تھی۔ ایک رات اچانک اسرائیلی فوج اور لبنان کے اندر رہنے والے عیسائی کیمپ پر حملہ آور ہوگئے۔ ہم ٩ بہن بھائی تھے۔ صرف ایک بھائی اور بہن زندہ بچی۔ گولہ باری کے ساتھ ہی بجلی اور پانی بھی بند کردیا گیا۔ تاریکی میں ہر طرف آگ کے شعلے بھڑکنے اور خون کے فوارے ابلنے لگے۔ خیموں کو آگ لگ گئی اور بچے ان کے اندر جلنے لگے۔ چالیس ہزار نفوس پر مشتمل یہ کیمپ خونخوار درندوں کے قبضے میں آچکا تھا۔ میرے اردگرد سیکڑوں لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور میں خود لاشوں ہی کے ڈھیر میں چھپا ہوا تھا۔ سفاک صہیونی فوجیوں نے شہید خواتین کی لاشوں کو اٹھا کر دوسری لاشوں کے اوپر رکھا۔ وہ کہہ رہے تھے: یہ وہ عورتیں ہیں جو مجاہدین پیدا کرتی ہیں، آج ہم ان سے یہودی پیدا کریں گے۔ وہ خواتین کی لاشوں کو پامال کرتے رہے''۔

لبنان کے ہسپتالوں اور پولیس ریکارڈ کے مطابق ٤ر جون تا ٣١ر اگست ١٩٨٢ء ١٧٨٣٥ افراد اسرائیلی بمباری سے شہید ہوئے جبکہ فلسطینی ذرائع کے مطابق ٨٣ دنوں کے محاصرے میں ستر ہزار لبنانیوں اور فلسطینیوں کو مار دیا گیا۔ ١٩٧٨ء، ١٩٨٠ء اور ١٩٨١ء میں بھی لبنان میں فلسطینی مہاجر کیمپوں پر حملے کئے گئے تھے جن میں بے شمار افراد شہید ہوئے۔ ١٩٥٣ء میں ایک گاؤں قیبوعا میں ٦٦ عورتوں، بچوں اور مردوں کو قتل کردیا گیا۔ ٥٦/١٩٥٥ء میں غزہ، قلقیلیا، کفر قاسم اور خان یونس میں قتل عام کیا گیا۔ ١٩٦٦ء میں السموگاؤں میں قتل وغارتگری کی گئی۔ ١٩٨٧ء میں امریکہ کے شہر بوسٹن میں قائم ڈاکٹروں کی ایک تنظیم نے فلسطین کا دورہ کیا۔ دورے کے بعد ان ڈاکٹروں نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ تشدد سے پانچ ہزار سے زیادہ فلسطینی مردوں، عورتوں اور بچوں کی ہڈیاں فریکچر کردی گئی ہیں''۔

١٩٩٠ء میں لائیون قرہ میں بھی قتل عام ہوا۔ ١٩٩٦ء میں لبنان میں قانا مہاجر کیمپ میں قتل عام کیا گیا۔

اسرائیلی تاریخ کا ہر ورق انسانیت سوز مظالم کی ناقابل تردید شہادت پیش کررہا ہے۔ انہی مظالم اور درندگی کی تاریخ میں ایک نام خیام کا ایوان دہشت (Khiam Detention Centre) ہے جسے Israel's Chamber of Horror

خوزہ کے منیر شفیق النجار نے بتایا کہ ہم خاندان کے ٢٧ افراد گھر میں محصور تھے کہ اسرائیلی فوج کا ایک اعلان سنا کہ سب لوگ گھروں سے نکل کر اسکول میں چلے جائیں۔ خواتین پہل کریں اور پھر مرد جائیں۔ ہم نے دو دو کی ٹولی میں خواتین کو بھیجنے کا فیصلہ کیا، سب سے پہلے باہر نکلنے والی خاتون ٤٨ سالہ روبیہ النجار کو گھر سے پچاس فٹ دور موجود فوجی نے سر میں گولی ماردی۔ ہمارے بھاگنے پر ٹینک پر نصب مشین گن سے فائرنگ کیگئی جس سے تین افراد شہید ہوگئے۔

بھی کہا جاتا ہے۔ یہ جنوبی لبنان میں ١٩٨٥ء میں قائم کیا گیا تھا اور پندرہ سالوں میں یہاں ٨٥ ہزار فلسطینیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ یہاں تشدد کا بدنام انسٹرومنٹ "Pole" تھا۔ سر پر ٹوپ چڑھا کر، برہنہ اور ہتھکڑیوں میں جکڑے افراد کو لوہے کے جنگلوں کے ساتھ باندھ دیا جاتا۔ قیدیوں کو مارا پیٹا جاتا، ان پر گرم اور ٹھنڈا پانی پھینکا جاتا یا پھر انہیں گھٹنوں اس طرح لٹکا کر رکھا جاتا کہ ان کے انگوٹھے زمین کو چھو رہے ہوتے۔ تشدد کے دیگر طریقوں میں اعضاء کو کاٹ دینا، جنسی اعضاء کو برقی جھٹکے دینا اور سگریٹوں سے جلانا، دانتوں، ناخنوں اور بالوں کو زبردستی اکھیڑ دینا، انگلیوں، بازوؤں اور ٹانگوں کو کاٹ دینا، نیند سے محروم رکھنا، منہ میں پیشاب کرنا، ٹوائلٹ نہ جانے دینا، شدید سردی میں ننگا رکھنا، خواتین پر جنسی تشدد کرنا وغیرہ شامل تھے۔ (اس کیمپ کی ہولناک تفصیلات کو ایمنیسٹی انٹرنیشنل لندن نے دسمبر ٢٠٠٠ء میں شائع کیا تھا)

انٹرنیشنل سالڈیریٹی فار ہیومن رائٹس کی رپورٹ کے مطابق ١٩٦٧ء تا ١٩٨٧ء کے بیس سالوں میں ٥٣٥٠٠٠ فلسطینیوں کو اسرائیلی حکام نے گرفتار کرکے تشدد کا نشانہ بنایا۔ ١٩٨٧ء تا ١٩٩٤ء ١٧٥٠٠٠ فلسطینی گرفتار کئے گئے۔ ١٤ر دسمبر ١٩٨٧ء جب سے تحریک انتفاضہ کا آغاز ہوا ہے، اوسطاً ٥٥٠ فلسطینی سالانہ شہید کئے گئے ہیں۔ ٩ر دسمبر ١٩٨٧ء تا اپریل ٢٠٠٨ء ٦١٢٣ فلسطینیوں کو شہید کیا گیا۔ ان میں ٦٥ فیصد بے گناہ نہتے شہری تھے۔ ٢٠٠٠ء تا ٢٠٠٨ء کے دوران میں ٩٨٢ بچے شہید کئے گئے۔ چھ برسوں میں ٦٨ خواتین نے ناکہ بندیوں پر بچوں کو جنم دیا۔ اس وقت گیارہ ہزار سے زیادہ فلسطینی اسرائیلی جیلوں میں ہیں۔ ان میں کم وبیش چار سو بچے بھی ہیں۔ بیس سالہ انتفاضہ تحریک کے دوران میں ١٠٥٣ اسرائیلی فوجی بھی مارے گئے۔ اس دوران میں اسرائیل نے شیخ احمد یاسین، عبدالعزیز الرنتیسی، محی الدین جیسے اہم رہنماؤں کو بھی شہید کردیا۔

٢٧ر دسمبر کو اسرائیلی حملے سے قبل کم وبیش گزشتہ دو سال سے غزہ شدید محاصرے میں تھا۔ پندرہ لاکھ فلسطینی آبادی کی حالت زار کو توانائی، پانی، گیس اور غذا کے بحران نے المناک ترین بنا دیا تھا۔ ادویات تک غزہ میں نہیں جانے دی جارہی تھیں جس کے باعث بچوں کی شرح اموات بہت بڑھ چکی تھی۔ معروف عالم دین شیخ سعید ابوجلیدان بھی اس دوران علاج نہ ہونے کے باعث انتقال کرگئے۔ اقوام متحدہ کے امدادی قافلوں کو بھی غزہ میں داخل نہیں ہونے دیا جارہا تھا اور اقوام متحدہ نے غزہ کی انسانی حالت زار کو بدترین قرار دے دیا تھا۔ نوبل انعام یافتہ مائریڈ میگور نے غزہ کے دورے کے بعد اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے رو پڑی تھیں۔ انھوں نے کہا تھا:

''غزہ کا دکھ ناقابل برداشت ہے۔ ماں ہونے کے ناتے میں بیان نہیں کرسکتی کہ غزہ کی مائیں کتنی بڑی آزمائش سے گزر رہی ہیں۔ ان کے لخت جگر دودھ نہ ملنے کے باعث تڑپ تڑپ کر جان دے رہے ہیں''۔ دسمبر میں اقوام متحدہ کے ادارے UNRWA کے اہلکار CHRIS GUNNESS نے بتایا تھا کہ ''غذائی بحران کی نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ لوگ کچرے کے ڈھیروں میں کھانے کی چیزیں تلاش کررہے ہیں''۔

ان بدترین حالات میں ٢٧ر دسمبر کو اسرائیل نے غزہ پر حملہ کردیا۔ پہلے ہی روز بموں اور میزائلوں سے ٣٥٠ افراد شہید ہوگئے۔ پھر اگلے بائیس روز میں غزہ کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ اس سے قبل ١٩٥٥ء اور ١٩٦٧ء میں بھی اسرائیل نے غزہ پر بڑے حملے کئے تھے۔ ١٩٦٧ء کا قبضہ ٣٦ سال تک رہا اور ٢٠٠٣ء میں اسرائیلی فوجیں یہاں سے نکلیں۔

٢٢ روز تازہ درندگی میں اسرائیل نے ١٣٤٠ سے زیادہ فلسطینیوں کو شہید کیا جبکہ پانچ ہزار سے زائد زخمی ہوئے۔ شہداء اور زخمیوں میں بڑی تعداد عورتوں اور بچوں کی ہے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق بچوں اور عورتوں کی تعداد بیالیس فیصد ہے۔ بیس ہزار مکانات کو سخت نقصان پہنچا۔ چار ہزار عمارتیں تو ملبے کا ڈھیر بن گئیں۔ ١٧ ایمبولینس گاڑیاں بھی تباہ کردی گئیں۔ ١٤ر جنوری تک فضائی حملوں کی تعداد ٢٣٠٠ تھی۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق غزہ میں جس قدر تباہی ہوئی ہے، اس کی تعمیر نو میں کم از کم دس سال لگیں گے۔ ١٣ر جنوری کو اقوام متحدہ کے رابطہ کار جان ہومز نے ذرائع ابلاغ کو بتایا کہ ''غزہ میں جس بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری ہورہی ہے، اسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ غزہ میں اس وقت تشدد کی جو قیمت انسانی جانوں کی صورت میں ادا کی جارہی ہے، اس کا خیال ہی روح فرسا ہے''۔

٦ر جنوری کو اقوام متحدہ کے تین اسکولوں کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ کم وبیش ساٹھ بچے شہید ہوگئے۔ ١٥ر جنوری کو اقوام متحدہ کا ہیڈکوارٹر بھی بمباری کی زد میں آگیا۔ انسانیت کے دشمن اسرائیل نے ہسپتالوں پر بھی وحشیانہ بمباری کی۔ غزہ میں انسانی جانوں کے علاوہ ٩ ارب ڈالروں کے نقصان کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ پچاس ہزار سے زیادہ فلسطینی بے گھر ہوئے ہیں۔ خونخوار اسرائیلی فوج کے بارے میں بی بی سی نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ اسرائیلی فوج نے ایک ایسی عورت کو بھی سر میں گولی مار کر شہید کردیا جو اسرائیلی اعلان کے بعد سفید پرچم تھامے اپنے گھر سے باہر نکلی تھی۔ لڑائی کی وجہ سے اپنے گھر میں محصور ایک خاندان جب تین گھنٹے کی جنگ بندی کے دوران میں پانی اور خوراک کی تلاش میں نکلا تو ان پر گولیاں چلائی گئیں۔ خوزہ کے منیر شفیق النجار نے بتایا کہ ہم خاندان کے ٢٧ افراد گھر میں محصور تھے کہ اسرائیلی فوج کا ایک اعلان سنا کہ سب لوگ گھروں سے نکل کر اسکول میں چلے جائیں۔ خواتین پہل کریں اور پھر مرد جائیں۔ ہم نے دو دو کی ٹولی میں خواتین کو بھیجنے کا فیصلہ کیا، سب سے پہلے باہر نکلنے والی خاتون ٤٨ سالہ روبیہ النجار کو گھر سے پچاس فٹ دور موجود فوجی نے سر میں گولی ماردی۔ ہمارے بھاگنے پر ٹینک پر نصب مشین گن سے فائرنگ کیگئی جس سے تین افراد شہید ہوگئے۔ اسی خاندان کے ایک اور رکن ریاض ذکی النجار نے بتایا کہ جب ہم چل رہے تھے تو عورتوں نے فوجیوں کو چیخ چیخ کر بتایا کہ ہمارے ساتھ بچے ہیں لیکن انھوں نے ہم پر گولی چلادی۔ فلسطینی ہلال احمر کے لئے کام کرنے والے ایک کارکن مردان ابوردا پر بھی فائرنگ کی گئی۔ یوسف ابوحجاج نے حقوق انسانی گروپ کو بتایا کہ اس کی والدہ اور بہن کو اس وقت گولیاں لگیں جب وہ سفید جھنڈے اٹھائے بچوں کے ساتھ گھر سے نکلنے کی کوشش کررہی تھیں۔

سفاکی کا ایک اور بڑا واقعہ ٩ر جنوری کو پیش آیا۔ ١١٠ افراد ایک گھر میں پناہ لئے ہوئے تھے اور یہ پناہ خود اسرائیل نے دے رکھی تھی مگر بمباری کرکے ان میں سے تیس کو شہید کردیا۔ شہید ہونے والوں میں زیادہ تر بچے تھے۔ اس تمام ترظلم ودرندگی کے باوجود اسرائیلی مذہبی پیشواؤں نے اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ کو خط لکھا کہ ''توریت حکم دیتی ہے کہ فلسطینیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ عورتوں اور شیرخوار بچوں پر بھی رحم نہ کھائیں''۔

اس لڑائی میں اسرائیل نے سفید فاسفورس بموں کا بھی استعمال کیا جس کا استعمال عالمی سطح پر ممنوع ہے۔ ٥ر جنوری کو جب ٹائمز نے اس کا انکشاف کیا تو تردید کردی مگر پھر تسلیم کرلیا کہ ''ہر کوئی جانتا تھا کہ ہم اسے استعمال کررہے ہیں''۔ اسے اقوام متحدہ کے اسکولوں میں (یعنی بچوں) پر بھی استعمال کیا گیا۔ اسرائیل نے اس جنگ میں کئی دیگر خطرناک ہتھیاروں کے بھی تجربات کئے۔ اسرائیلی وزیراعظم نے عالمی ردعمل میں اعلان کیا کہ ہم اپنے فوجیوں پر عالمی عدالت میں جنگی جرائم پر مقدمات چلانے کی اجازت نہیں دیں گے۔

عالمی ردعمل

مسلم دنیا کے حکمرانوں نے حسب توقع سردمہری کا مظاہرہ کیا۔ خبروں کے مطابق فلسطین کے صدر محمود عباس اور مصر کے صدر حسنی مبارک کی تو اس قتل وغارتگری کے لئے اسرائیل کو باقاعدہ حمایت حاصل تھی۔ مصری صحافی ابراہیم اترادی نے تو یہاں تک لکھا ہے: ''فتح'' کے ٹولے نے اسرائیل کو غزہ پر حملے کے لئے قائل کیا اور حماس کے حفاظتی اور فوجی ٹھکانوں کی معلومات دیں''۔ غزہ کے حوالے سے دوحہ کانفرنس میں محمود عباس نے شرکت کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ سعودی عرب نے اگرچہ ایک ارب ڈالر کی امداد کا اعلان کیا مگر سیاسی حمایت کی اس سے جو توقع تھی اس پر پورا نہ اترا۔ پاکستان کے حکمران تو ویسے ہی امریکہ کے لئے کرائے کے ٹٹو بنے ہوئے ہیں۔ ایرانی صدر کا ردعمل امت کا ترجمان تھا۔ انھوں نے کھل کر کہا کہ ''بعض مسلمان اور عرب ممالک اسرائیلی جارحیت پر نہ صرف خاموش ہیں بلکہ غزہ پر حملوں کی حمایت بھی کر رہے ہیں''۔ انھوں نے قطر کانفرنس میں اسرائیلی قیادت پر عالمی عدالت میں مقدمہ چلانے کا مطالبہ کرنے کے علاوہ یہودی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے اور جن ممالک کے اسرائیل سے تجارتی وسفارتی تعلقات ہیں، ان تعلقات کو ختم کرنے کا مطالبہ بھی کیا۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر میگوئل ڈی ایسکوٹو بروک مین کا ردعمل شدید تھا۔ انھوں نے امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ ساتھ منافقانہ طرز عمل رکھنے والے مسلم ممالک کی بھی پرزور مذمت کی۔ انھوں نے اسرائیلی حملوں کو ''ظلم ووحشت'' قرار دیتے ہوئے سلامتی کونسل پر بھی شدید تنقید کی۔ وینزویلا کے صدر ہیوگو شاویز نے اسرائیل کو امریکہ کا بازوئے قاتل قرار دیا اور اسرائیلی سفیر کو ملک چھوڑنے کا حکم دیا۔ غیر جانبدار تحریک کے ١١٨ ممالک کا بھی ہنگامی اجلاس ہوا جس میں اسرائیلی حملے کو عالمی قوانین کی خلاف ورزی قرار دیا اور سلامتی کونسل کی اس قرارداد پر عمل درآمد کا مطالبہ کیا جسے اسرائیل نے مسترد کردیا تھا۔ مسلم ممالک میں عوامی سطح پر کافی پرزور احتجاج ہوا ہے اور سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مصر میں اس احتجاج کو روکنے کے لئے سیکڑوں افراد کو گرفتار بھی کیا گیا ہے۔ اگر اسرائیلی وامریکی دہشت گردی کو روکنا ہے تو احتجاج نہیں کٹھ پتلیوں کے خلاف ایک بڑی بغاوت کی ضرورت ہے۔

اسرائیل اس قدر قتل وغارتگری اور تباہی وبربادی کرنے کے بعد بھی جنگ کے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ جب حملے کے بعد حماس کے رہنما اسماعیل ہانیہ نے اعلان کیا کہ ''ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں، ہم نے اپنے رب سے اپنی جانوں کا سودا کرلیا ہے، اہل غزہ کو ماسوائے اللہ کے دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی'' تو اسرائیلی حکمرانوں اور میڈیا نے اسے بڑھک قرار دیا اور کہا کہ ''اب عنقریب حماس قصۂ پارینہ بن جائے گی''۔ اس جنگ میں حماس نے اسرائیل کے ٤٧ ٹینک تباہ، ٨٠ فوجی ہلاک کئے اور دو کو گرفتار کیا۔ اس کے مقابلے میں حماس کے صرف ٤٨ مجاہدین شہید ہوئے۔ اسرائیل نے اہل غزہ کے حوصلے توڑنے کے لئے ابلاغی حملہ بھی کیا۔ الاقصیٰ ٹیوی پر حماس کی نشریات جام کرکے اپنے اعلان نشر کرنے شروع کردیئے کہ حماس کی قیادت بھاگ چکی ہے اور فلاں فلاں رہنما مارے جاچکے ہیں۔ جہازوں سے پمفلٹس بھی پھینکے گئے جن میں حماس کو اس جنگ کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ یہ ابلاغی حملہ بھی اہل غزہ اور حماس کے حوصلے پست کرنے میں ناکام رہا۔

اسرائیلی انٹیلیجنس موساد کے ترجمان اخبار ''یدیعوت احرونوت'' نے ایک اسرائیلی فوجی جنرل کا انٹرویو شائع کیا ہے جس میں اس کا کہنا ہے کہ یہ اسرائیل کی تاریخ کی سب سے بڑی جنگ تھی۔ اخبار نے اپنے تبصرے میں اعتراف کیا ہے کہ اسرائیل جنگ کے اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اخبار کے مطابق اسرائیلی فوج اسرائیلی قیدی گیلاد شالیت کو چھڑانے اور حماس کے راکٹ حملے بند کروانے میں ناکام رہی ہے۔ یہاں تک کہ حماس کی سرنگیں بھی تباہ نہیں کرسکی۔ (بحوالہ الجزیرہ، ٢٠ر جنوری)

اسرائیلی فوج کا ایک کمانڈر جو ٢١ روز تک غزہ میں رہا اور مجاہدین کے حملوں میں زخمی ہوا، کا کہنا ہے کہ ''ہمارا دشمن انتہائی بہادر ہے۔ وہ سرعت کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہیں اور پلک جھپکنے میں غائب ہوجاتے ہیں۔ ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ زمین کی تہہ میں ایک منظم فورس ہے جس کو شکست دینا مشکل ہے''۔ (یدیعوت احرونوت، ١٩ر جنوری)

بی بی سی اپنی رپورٹ میں کہتا ہے کہ ''اسرائیل نے سال بھر کی غذائی اور طبی ناکہ بندی کے بعد غزہ پر ایک سوٹن سے زائد بارود برسا دیا لیکن فلسطینی انتہائی سخت جان ثابت ہوئے۔ ان پر جتنا بھی زہریلا اسپرے کیا جائے، یہ قوت مدافعت پیدا کرلیتے ہیں''۔

حماس اور اہل غزہ نے جس جرأت و بہادری اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا ہے وہ قابل تحسین و قابل فخر ہے۔ تنخواہ دار فوجوں کے لئے قابل تقلید بھی اور کرائے کے ٹٹو بن کر طاغوت کی بالادستی کے لئے لڑنے والوں کے لئے باعث شرم بھی۔

(ماخوذ)

شیخ حسینہ کی کڑی آزمائش

الیسٹر لاسن

انتخاب کے دو ماہ بعد ہی بنگلہ دیشی وزیراعظم شیخ حسینہ نے اپنے آپ کو ایک ایسے بحران میں گھرا ہوا پایا جس میں بہت کچھ داؤ پر لگا ہوا تھا۔ اس ہفتے بنگلہ دیش میں سرحدی فورس بنگلہ دیش رائفلز کے سپاہیوں کی جانب سے کی جانے والی بغاوت میں ہلاک ہونے والے افراد کی تعداد میں اضافہ تو ہورہا ہے لیکن ڈھاکہ میں بسنے والے مبصرین اس بات پر سب متفق ہیں کہ اب بھی بہت بڑے پیمانے پر خون کی ہولی کھیلے جانے کا خطرہ ٹال دیا گیا ہے۔ وزیراعظم شیخ حسینہ کو اس بات کے لئے قابل تحسین سمجھا جارہا ہے کہ ماضی کے برعکس انھوں نے فوج کو صورتحال کا کنٹرول سنبھالنے نہیں دیا اور اعتماد اور حوصلے سے اس بحران کا مقابلہ کیا۔ بی بی سی بنگالی کے سربراہ صابر مصطفیٰ کا بھی یہی کہنا ہے کہ ''اس بات پر تقریباً ہر کوئی متفق ہے''۔

اس بات کا ہر ممکن خدشہ تھا کہ بغاوت کے آغاز کے بعد فوج معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیتی، بنگلہ دیش رائفلز کے ہیڈکوارٹر پر دھاوا بول دیا جاتا اور فوج کے افسروں کی ہلاکت کا بدلہ بنگلہ دیش رائفلز کے سپاہیوں کے قتل کی صورت میں لیا جاتا۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو ہلاک شدگان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوتی جتنی کہ اب ہے۔ لیکن ایسا کچھ نہ ہوا کیونکہ وزیراعظم نے اس بات کو یقینی بنایا کہ فوج ان کے کنٹرول میں رہے اور یہ بحران سیاستداں ہی حل کریں۔

٢٥ر فروری کی رات بنگلہ دیشی عوام سے وزیراعظم شیخ حسینہ کے خطاب کو اس بحران کے خاتمے کے سلسلے میں اہم موڑ قرار دیا گیا ہے۔ اسی خطاب میں انھوں نے باغیوں کو یہ واضح پیغام دیا کہ ان کے پاس ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ وزیراعظم نے فوج کو بھی بتا دیا کہ وہ خود اس بحران سے نمٹنے کی کوششیں کررہی ہیں اور وہی ہیں جو اس سے نمٹیں گی۔ یہ حقیقت انتہائی اہم ہے کہ اس بحران کا حل بنگلہ دیش کی منتخب جمہوری حکومت نے نکالا نہ کہ فوج نے جو کہ اس ملک میں طویل عرصے تک طاقتور عنصر رہی ہے۔ اس امر سے بیرونی دنیا کو یہ پیغام بھی ملا کہ اب بنگلہ دیش میں نظام حکومت ایک مستحکم شہری انتظامیہ کے ہاتھ میں ہے اور فوج اس حکومت کو جواب دہ ہے۔

یہ ایک ایسا پیغام ہے جس کا اثر بیرونی سرمایہ کاروں، اقوام متحدہ اور امدادی ایجنسیوں پر بھی پڑے گا۔ یہ وہ تمام عناصر ہیں جو بنگلہ دیش میں اپنی موجودگی کو بڑھانا چاہتے ہیں۔ تاہم یہ بات بھی اہم ہے کہ بڑے پیمانے پر ہلاکتوں کے باوجود اگر شیخ حسینہ کو اس بحران سے نمٹنے پر شاباشی ملی ہے تو کیوں وہ اس بغاوت کے آغاز سے قبل ہی اس کا اندازہ نہیں لگا سکیں۔ زیادہ تر مبصرین کا ماننا ہے کہ وہ اس پوزیشن میں ہی نہیں تھیں۔ مبصرین کے مطابق شیخ حسینہ نے دسمبر میں ہی اقتدار سنبھالا ہے اور انہیں بنگلہ دیش رائفلز کے سپاہیوں میں موجود بے چینی کو بھانپنے کا وقت ہی نہیں مل سکا ہے۔ ڈھاکہ سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق جب شیخ حسینہ نے بغاوت سے چند گھنٹے قبل بنگلہ دیش رائفلز کے ہیڈکوارٹر کا دورہ کیا تو انہیں جوانوں اور افسران سے ملنے بھی نہیں دیا گیا۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ بنگلہ دیش رائفلز کے افسران نے یہ محسوس کیا کہ اس قسم کی ملاقات صحیح ثابت نہ ہوگی اور اسی لئے اسے وزیراعظم کی مصروفیات سے نکال دیا گیا۔ یہ بھی اطلاعات ہیں کہ یہ عمل ہی بغاوت سے قبل بنگلہ دیش رائفلز کے ارکان اور سینئر فوجی افسران کے درمیان گرماگرم بحث کی وجہ بھی بنا۔ بی بی سی بنگالی کے صابر مصطفیٰ کے مطابق یہی عمل اس تابوت میں ٹھکنے والی آخری کیل ثابت ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر وزیراعظم اس سارے معاملے سے بے خبر تھیں تو یہ اندازہ نہ لگانے کا ذمہ دار کون تھا کہ بغاوت ہونے والی ہے۔ اس حوالے سے زیادہ تر انگلیاں ملک کی خفیہ ایجنسیوں پر اٹھ رہی ہیں اور اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ بغاوت فرو ہونے کے بعد اب ڈائریکٹریٹ جنرل آف فورسیز انٹیلیجنس، نیشنل سیکوریٹی انٹیلیجنس اور پولیس کی اسپیشل برانچ میں تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بغاوت بنگلہ دیش رائفلز میں ممکنہ اصلاحات کی وجہ بھی بنے گی۔ ڈھاکہ میں بی بی سی کے ولی الرحمٰن کا کہنا ہے کہ اس وقت ملک کی سرحدیں بند کردی گئی ہیں جبکہ ستر ہزار سرحدی محافظین کی رہنمائی کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں پیش کی جانے والی ایک تجویز یہ ہے کہ جب تک مستقل انتظام نہ ہوسکے اس وقت تک ایسے سابق فوجی افسروں کو

باقی صفحہ ٨ پر

ایک نومسلمہ مریم ایوان ریڈلی کے مشاہدات افغانستان

ایوان ریڈلی، برطانوی صحافی ہیں، ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد غیر قانونی طور پر افغانستان میں برقع پہن کر داخل ہونے کی کوشش میں طالبان کے ہاتھوں گرفتا ہوئیں۔ دوران قید طالبان نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، جسے ایوان نے یہ کہہ کر رد کردیا کہ وہ سوچ سمجھ کر اسلام قبول کریں گی۔ طالبان سے رہائی پانے کے بعد انہوں نے قرآن پاک کا مطالعہ کیا اور بالآخر ۲۰۰۳ء میں اسلام قبول کرلیا۔ ایوان، دوران قید طالبان کے رویے سے بھی خاصی متاثر ہوئیں، بطور صحافی، انہوں نے برطانیہ کے تمام بڑے اخبارات کے ساتھ ساتھ، الجزیرہ اور پریس ٹی وی کے لئے کام کیا۔ ان دنوں ایوان پریس ٹی وی کے لئے امریکی جیلوں پر ایک ڈاکومنٹری تیار کررہی ہیں۔ اس دوران انہوں نے گوانتاناموبے میں پاکستانی خاتون ڈاکٹر عافیہ پر انسانیت سوز مظالم کا انکشاف بھی کیا۔ زیر نظر مضمون انہوں نے ڈاکومینٹری کی تیاری کے سلسلے میں دورۂ افغانستان کے بعد لکھا۔ فلسطین، عراق، چیچنیا اور افغانستان میں مظلوم انسانیت کی قتل وغارت گری کے خلاف آواز بلند کرنے کی وجہ سے انہیں نہ صرف مسلمان بلکہ جنگ مخالف غیر مسلموں میں بھی بے پناہ مقبولیت حاصل ہے۔

ترجمہ: رانا محمد آصف

طالبان افغانستان کے ۷۲ فیصد علاقے پر قابض ہیں۔ مجھے انٹرنیشنل کونسل آف سیکورٹی اینڈ ڈیولپمنٹ کی یہ رپورٹ ماننے میں کوئی قباحت نہیں، لیکن ایک معتبر تھنک ٹینک کی یہ رپورٹ امریکی وبرطانوی سیاست دانوں اور سفارت کاروں کی تنقید کا نشانہ بن گئی۔ دراصل اس رپورٹ پر رائے زنی کرنے والے افغانستان کے زمینی حقائق سے واقفیت نہیں رکھتے، چونکہ افغانستان کا سفر غیر محفوظ ہے اور اگر کوئی وہاں جانے کی جرأت کر بھی لے تو بہت کم ہی کابل سے باہر جانے کا حوصلہ کرپاتا ہے۔ میرے لئے آئی سی او ایس کے اعداد وشمار اس لئے بھی حیران کن نہیں کہ میں نے متعدد مغربی صحافیوں اور سفارت کاروں کے برعکس حال ہی میں افغانستان کا زمینی سفر کیا ہے اور اس سفر میں ہمارے ساتھ سیکورٹی فورسز کا قافلہ بھی نہیں تھا۔ مجھے اور فلم ساز، حسن النبی غنی کو اسلام آباد سے افغانستان جانا تھا۔ فضائی سفر کے لئے ہمیں ایک ہفتہ انتظار کرنا پڑتا، اس لئے ہم نے تاریخی باب خیبر سے گزر کر طورخم اور جلال آباد کے راستے کابل جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ ایک دشوار گزار اور انتہائی غیر محفوظ راستہ ہے۔ کابل جانے کے لئے فضائی راستے کے سوا کوئی راستہ بھی اب محفوظ نہیں رہا۔ ہمارے راستے میں کئی حسین قدرتی مناظر بکھرے ہوئے تھے، ساتھ ہی حالیہ ایک واقعہ کے شواہد بھی دیکھنے کو ملے۔ یہ کابل جانے والے تقریباً ۴۰ آئل ٹینکرز کی باقیات تھیں۔ یہ وہ منظر ہے، جو امریکی صدر اوباما، برطانوی وزیر اعظم گورڈن براؤن اور افغان صدر حامد کرزئی کی نظروں سے اوجھل ہے۔ مجھے اور حسن النبی کو اپنی فلم کے لئے بہت سے اہم مناظر عکس بندی کے لئے ملے، لیکن اس کے لئے ہمیں خوف کے دردناک احساس سے بھی گزرنا پڑا۔ اس سفر میں ہمیں معلوم ہوا کہ کس طرح ایک عام افغان باشندہ روز وشب گزار رہا ہے۔ کن مشکل حالات میں کسب معاش اور روزمرہ زندگی کے مراحل سے دوچار ہے۔ افغانوں کی تکلیف میرے سفر کی دشواریوں پر غالب آگئی۔

آئی سی او ایس کے مطابق طالبان کابل کے گرد اپنا محاصرہ روز بہ روز تنگ کرتے جارہے ہیں، جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ دارالحکومت کو جانے والی چار بڑی شاہ راہوں میں سے تین کا مکمل کنٹرول طالبان کے پاس ہے اور ہم نے خود کابل سے صرف تیس فٹ کے فاصلے پر افغان پولیس اور طالبان کے مابین خوں ریز لڑائی دیکھی ہے۔ اپنے قیام کے دوران ہم نے افغانستان کے ایسے علاقوں کا بھی دورہ کیا، جہاں دیگر غیر ملکی جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اس کے لئے ہمیں عدم تحفظ کے ہیجان خیز تجربے سے گزرنا پڑا، کیوں کہ ہمارے گرد سیکورٹی کا کوئی حصار نہ تھا۔ اسی ذاتی تجربے کی بنیاد پر میں آئی سی او ایس کی رپورٹ کو اس زاویۂ نگاہ سے دیکھ سکتی ہوں، جس سے مغرب محروم ہے۔ رپورٹ کے مطابق طالبان کے زیر تسلط علاقہ، جو گزشتہ برس ۵۴ فیصد تھا، بڑھ کر اب ۷۲ فیصد ہوگیا ہے۔ جنوبی افغانستان میں قائم طالبان کی حکومت کابل کے شمال اور مغربی وشمال مغربی صوبوں تک پھیل گئی ہے۔ میرے خیال میں ان اعداد وشمار کو جھٹلانا نری ہٹ دھرمی ہوگی۔ آئی سی او ایس کی سربراہ اور مغربی محقق نورائن میکڈونلڈ نے لندن میں اپنی رپورٹ سے متعلق منعقدہ پریس کانفرنس میں کہا کہ ''روز بہ روز بڑھتے ہوئے سیکورٹی کے خطرات اور مسائل کے باوجود اب افغانستان کے حوالے سے بین الاقوامی برادری کا ردعمل پہلے جیسا نہیں رہا، اس میں حیرت انگیز تبدیلی آئی ہے۔ انتشار پھیلانے والی قوتیں نیٹو کی کمزوریوں کو اپنی قوت میں تبدیل کررہی ہیں۔'' ادارے کے پالیسی ڈائریکٹر پاول برٹن کا کہنا ہے کہ ''طالبان، کابل کے گرد اپنا شکنجہ سخت کررہے اور نیٹو کی ناک کے نیچے پہنچتا یہ خطرہ جلد ہی پورے افغانستان کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔'' اس رپورٹ کے ناقد اور افغانستان میں برطانوی سفیر شیرارڈ کوپر کولس نے برطانوی نشریاتی ادارے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ''میرے خیال میں رپورٹ کی تیاری میں اختیار کردہ طریقہ کار ناقص ہے۔ افغانستان کے چند علاقوں کی نظیر پیش کرکے یہ کہنا کہ طالبان بااثر ہورہے ہیں، کمزور مشاہدہ کہلائے گا۔'' میں سر شیرارڈ کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتی، لیکن یہ یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ انہوں نے کبھی خاطر خواہ حفاظتی انتظام کے بغیر کابل سے باہر سفر نہیں کیا ہوگا۔ ۲۰۰۳ء میں مجھے افغانستان میں قائم برطانوی سفارت خانہ دیکھنے کا موقع ملا۔ حفاظتی انتظامات کے باعث ایک عام آدمی وہاں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس کا مکین ایسی ہی رائے دے سکتا ہے۔ جہاں تک نورائن میکڈونلڈ کا سوال ہے تو اس باصلاحیت خاتون کو میں نے خود افغانستان کے خطرناک ترین علاقوں میں زمین پر اکڑوں بیٹھ کر عام افغانوں کے مسائل وخدشات سنتے اور ان پر بات کرتے دیکھا ہے۔ نورائن کی حاصل کردہ معلومات ان زمینی حقائق پر مبنی ہیں۔ جو اس نے کابل اور پورے افغانستان سے جمع کی ہیں۔ بہت سے اغوا کے ڈر سے کابل سے باہر جانے سے گریز کرتے ہیں، لیکن نورائن نے بہت سی مشکلات کا مشاہدہ ذاتی طور پر کیا ہے، جب کہ شیرارڈ کابل میں بھی آزادانہ نقل وحرکت نہیں کرسکتے، تو اب ان دونوں میں سے کس کی رائے کو زیادہ اہمیت دینی چاہئے۔ اس کا فیصلہ آپ خود کرلیں۔

اس رپورٹ کی ایسی ہی ایک اور ناقد، افغان رکن پارلیمنٹ شکریہ بارکزئی ہیں۔ میں شکریہ سے مل چکی ہوں، ان کا تعلق کابل کے ایک بااثر اور دولت مند گھرانے سے ہے۔ وہ ایک روشن خیال اور ذہین خاتون ہیں اور جب شکریہ رکن پارلیمنٹ منتخب ہوئیں تو مجھے بہت خوشی ہوئی، کیوں کہ وہ اپنے ملک سے محبت کرتی ہیں۔ رپورٹ سے متعلق شکریہ کا کہنا ہے کہ ''مجھے حیرت ہے کہ اگر طالبان اتنے ہی طاقتور اور بااثر ہیں تو اتحادی افواج اور حکومت خود کہاں ہیں؟ اگرچہ سیکورٹی کے مسائل بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں، لیکن یہ کہنا کہ طالبان مضبوط ہورہے ہیں، درست نہیں۔ طالبان ایک خطرہ ضرور ہے، لیکن مجھے رپورٹ میں پیش کردہ اعداد وشمار سے قطعاً اتفاق نہیں۔'' شکریہ ایک امیر خاتون ہے، یہ کوئی جرم نہیں، لیکن اس نے بھی فضائی سفر کے علاوہ کابل سے قدم باہر نہیں رکھا، اس لئے اس کا اس رپورٹ پر ردعمل صرف جذبات کا اظہار تو ہے، کوئی ٹھوس دلیل نہیں۔

افغانستان میں امریکی وبرطانوی فوج کی تعداد اور قیام میں توسیع کے منصوبے، طالبان کے لئے پریشان کن نہیں، وہ تو اس لمحے زیادہ پرجوش ہیں۔ کیونکہ پہلے سے موجود فوج سے بڑی فوج کا مطلب ہے ''بڑے اہداف'' اور ''کھلونا سپاہیوں'' سے جدید ہتھیار چھیننے کے مزید مواقع۔ امریکی فوجیوں کی رعونت، حالات سے ناواقفیت اور افغانوں سے ان کے رویے کے باعث، افغانستان میں ان کی موجودگی ایسے حلقوں کے لئے بھی قابل قبول نہیں، جو طالبان کی واپسی کے خواہاں نہیں۔ انکل سام کے یہ فرزند، عام افغان شہریوں سے کس طرح پیش آتے ہیں، آپ صرف ان فوجی قافلوں کے گرد مخصوص لائن میں چلتے ڈرائیوروں سے بات کرلیجئے تو معلوم ہوجائے گا کہ وہ ان سے کتنے مطمئن ہیں۔ افغان، آج تک امریکی فوجیوں کا برتاؤ سمجھنے سے قاصر ہیں، انہیں یہ معلوم نہیں کہ کیوں یہ فوجی، اپنے سست رو فوجی قافلے سے آگے نکلنے والے عام شہری کی گاڑی پر بھی فائرنگ کردیتے ہیں۔ انہیں یہ سمجھ نہیں آتا کہ امریکی طیارے ان کی شادی بیاہ کی تقریبات پر بم کیوں برساتے ہیں؟ نورائن نے اپنی رپورٹ میں افغانستان میں میڈیا کو آزادی دینے کا مطالبہ بھی کیا ہے، جو کہ قابل تحسین ہے، کیونکہ ایسے واقعات کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں کہ امریکی فوج پر تنقید کرنے والوں کو ''نامعلوم مقامات'' کی سیر کرائی جاتی رہی ہے۔ میں خود ایک ایسے نوجوان صحافی سے ملی ہوں، جسے امریکی فوجیوں نے اغوا کرکے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا اور اٹھارہ گھنٹے بگرام کی ایک جیل میں قید رکھا۔ اس کا جرم صرف یہ تھا کہ اس نے امریکی فوج کی جانب سے زائد المیعاد راشن کی فروخت کا انکشاف کیا تھا۔ میں نے خود کابل میں امریکی فوج کے ساز وسامان اور راشن کی فروخت کی پوری ایک منڈی دیکھی، ہمارے پاس اس منڈی کی ویڈیو موجود ہے۔ افغانستان کے مسئلے کا حل یہی ہے کہ وہاں سے ہٹ دھرم اور بدتمیز امریکی فوج کو واپس بلایا جائے۔ یہی مشورہ برطانوی افواج کے لئے بھی ہے۔ کیونکہ افغان زیادہ دیر تک دونوں میں تفریق نہیں کریں گے۔

یہ ہیں افغانستان کے زمینی حقائق۔ اب یہ مغربی فیصلہ سازوں پر منحصر ہے کہ وہ اپنا روایتی رویہ برقرار رکھتے ہوئے اپنے نااہل مشیروں کی تجاویز مانتے ہیں یا افغانستان میں افواج کی تعداد بڑھانے اور قیام کو طول دینے کے منصوبے ترک کرکے آئی سی او ایس کی رپورٹ کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کریں اور اس کے مندرجات پر عمل کریں۔ درحقیقت عام آدمی کو بموں اور راکٹوں کے بجائے ریلیف کی ضرورت ہے۔ افغان حکومت کو مستحکم کرکے اور مشروط امداد دے کر مسائل کا حل ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ حال ہی میں کابل اور اس کے مضافات میں خواتین کو روزگار فراہم کرنے کے منصوبے کا آغاز کیا گیا ہے۔ یہ ایک اچھا اقدام ہے، لیکن پہلے افغان مردوں کو ان کی عزت نفس لوٹا کر بہتر ذرائع معاش فراہم کئے جائیں، تو یہ ان کی روایات کے عین مطابق بھی ہوگا اور حالات میں بہتری کا باعث بھی۔ آپ خود ہی سوچئے کہ کوئی شخص اپنے خاندان کو فاقے کرتے دیکھنا پسند کرے گا یا چالیس ڈالر ماہانہ کے عوض طالبان کے لئے لڑنا؟ ذرا سوچئے! سوال زیادہ مشکل نہیں۔ مجھے میرا جواب معلوم ہے اور یہ سادہ سی بات امریکی وبرطانوی فیصلہ سازوں کو کیوں سمجھ میں نہیں آتی؟ اس کا جواب انہیں معلوم ہونا چاہئے۔ ●●

چار عالمی حادثات

کلیم اللہ نذیر

خلیفہ عبدالحمید کے زمانے میں صہیونی یہودیوں کا وفد خلیفہ سے ملنے گیا یہ 19ویں صدی کے آخر کی بات ہے، خلافت عثمانیہ مغرب کے مقابلے میں کمزور ہوچکی تھی، مالی حالت خستہ اور خلافت مقروض تھی۔ صہیونی وفد نے خلیفہ سے کہا کہ اگر آپ بیت المقدس کا علاقہ اور فلسطین ہمیں دے دیں تاکہ یہودی وہاں آباد ہوسکیں تو ہم سلطنت عثمانیہ کا سارا قرضہ ادا کردیں گے اور مزید کئی ٹن سونا دیں گے۔ خلیفہ نے ایسا جواب دیا جو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکے گی، خلیفہ نے اپنے پاؤں کی انگلی سے زمین کی تھوڑی سی مٹی کرید کر کہا کہ اگر یہ ساری دولت دے کر تم لوگ بیت المقدس کی اتنی سی مٹی بھی مانگو گے تو ہم نہیں دیں گے، وفد کا سربراہ یہودی قرہ صوہ آفندی تھا چند ہی سالوں بعد جو شخص مصطفیٰ کمال پاشا کی طرف سے خلافت کے خاتمہ کا پروانہ لے کر خلیفہ کے پاس گیا وہ یہی یہودی قرہ صوہ آفندی تھا۔

ایک صدی میں عالم اسلام کو چار عالمی سانحات برداشت کرنا پڑے (۱) تاریخ اسلامی کا بدترین واقعہ جسے قرار دیا جاسکتا ہے 1923 میں رونما ہوا یعنی خلافت عثمانیہ کا خاتمہ وہ خلافت جیسی کچھ بھی تھی اس کا خاتمہ ملت اسلامیہ کے لیے دردناک واقعہ ہے۔ (۲) قبلہ اول کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا 1948 میں فلسطین میں ایک غاصب ریاست اسرائیل کے نام سے ظہور میں آئی اور پھر اس ریاست کے ذریعہ 1957 میں بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لیا گیا فلسطین کے اطراف میں ایسی حکومتیں مسلط کی گئیں جنہوں نے اسرائیل کو تسلیم کرلیا۔ (۳) 1991 میں رونما ہوا، یہود ونصاریٰ کا جزیرۃ العرب میں واپس آنا۔ ''یہود ونصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دو''۔ اس حدیث پر حضرت عمرؓ نے عمل کیا۔ لیکن اب پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ یہود ونصاریٰ جزیرۂ عرب میں دوبارہ داخل ہوگئے۔ (۴) اس صدی کی ابتداء میں امارت اسلامیہ افغانستان کا سقوط ہوگیا۔ مایوسی کے عالم میں امید کرن بجھادی گئی۔ یہ واقعات خلافت عثمانیہ کا خاتمہ، اسرائیل کا قیام قبلہ اول کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا، جزیرۂ عرب میں یہود ونصاریٰ کا واپس آنا، امارت اسلامیہ افغانستان کا سقوط یہ سب ایک سلسلے کی کڑی ہیں ایک ہی ذہن کی کارفرمائی، ایک ہی حکمت عملی اور سازش کا نتیجہ ہیں۔

مغربی تہذیب جس کا سربراہ اب امریکہ ہے ایک گہری سازش ہے یہ ایک ثقافت ایک تہذیب ایک فکر کا نام ہے دنیا میں یہودی دو ہزار سال سے کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے جو سراسر ان کی شامت اعمال کے سوا کچھ نہ تھا مسلمانوں نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا لیکن عیسائیوں نے ان سے خوب انتقام لیا۔ عیسائی دنیا میں یہودیوں نے گہری سازش کا جال بچھایا بالآخر سات سو سالوں میں عیسائیت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ جب یہودی عیسائیوں سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے مسلمانوں کا رخ کیا 1023 میں ان کی سازشوں سے خلافت کا خاتمہ ہوگیا، جو حربہ انہوں نے عیسائیوں پر استعمال کیا وہی حربہ عالم اسلام پر بھی آزمایا لیکن اندازہ غلط نکلا، عالم اسلام، عیسائیت سے مختلف ہے اس کا سبب مسلمانوں کا حامل قرآن وسنت ہونا ہے۔ انہوں نے سمجھا خلافت کا خاتمہ عالم اسلام کے تابوت میں آخری کیل کی مانند ہے جب امارت اسلامیہ افغانستان میں قائم ہوئی تو مغرب حیران وششدر رہ گیا کیا اسلام اب بھی زندہ ہے؟ کیا اس کی وقعت اب بھی باقی ہے؟ کیا اسلام دنیا کی قیادت سنبھالنے کے لیے تیار ہوچکا ہے؟ انہوں نے اسلام کو دوبارہ سمجھنے کی کوشش کی، خوب دولت خرچ کی۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ اسلام کے اندر آخر کون سی طاقت ہے جس کی وجہ سے معاشرہ دوبارہ زندہ ہوگیا۔ ●●

بقیہ: ایک خاکہ ذہن میں تیار کرنا ہے مجھے

کرے جو نہ صرف دنیاوی زندگی بلکہ اخروی زندگی میں بھی اس کی کامیابی اور کامرانی کا ضامن بن سکے۔

دنیائے انسانیت کا اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کارگہ ہستی میں ایسی عظیم اور ذیشان شخصیت جو دنیائے جہاں کے لئے مینارۂ نور بنی ہوئی ہے اور بنی نوع انسان کے لئے تا قیام شمس وقمر ہادی، مربی، مزکی، رہبر معلم کتب حکمت ودانش کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ عظیم الشان اور بے مثل شخصیت سرور دوعالم، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ جن کا نمونہ زندگی اور اسوۂ حسنہ، دنیائے انسانیت کے لئے موجب سعادت وبرکت ہے۔ یہی وہ خاکۂ مبارک ہے جو ذہن کے دریچوں میں محفوظ کئے جانے کے قابل ہے اس طرح نبی مکرم کا عملی خاکہ دنیوی اور اُخروی زندگی میں فوز وفلاح کا ضامن ہے۔ قرآن حکیم کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ارشاد ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ''درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے'' اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی مقدس زندگی کو اہل ایمان کے لئے اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ زندگی قرار دیا ہے۔ جو اس نمونہ زندگی کو اپنائے گا وہی فوز وفلاح پائے گا۔ تب ہی تو ہر فرد بشر کے دل میں یہ تمنا اور آرزو انگڑائی لے رہی ہے اور ان کے دل کے نہاں خانوں سے یہ صدا گونجتے ہوئے ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنا رہی ہے۔ ''ایک خاکہ ذہن میں تیار کرنا ہے مجھے'' ●●

دہشت گردی کے خلاف جنگ اور افغانستان کی دلدل

نیر زیدی (واشنگٹن)

صدر باراک اوباما افغانستان کو کتنی اہمیت دے رہے ہیں، اس کا اندازہ اس امریکی وفد سے ہوتا ہے جو میونخ، جرمنی میں فروری میں ہونے والی سیکورٹی کانفرنس میں شرکت کے لئے بھیجا گیا تھا، اس کے سربراہ نائب صدر جوزف بائیڈن تھے۔ صدر کے خصوصی ایلچی برائے افغانستان اور پاکستان رچرڈ ہال بروک کے علاوہ دو اعلیٰ ملٹری افسر بھی اس کا حصہ ہیں، ان کے نام ہیں جنرل جیمس جونز جو صدر کے نیشنل سیکورٹی کے مشیر ہیں اور جنرل ڈیوپٹریئس جو فلوریڈا میں واقع سینٹرل کمان کے سربراہ ہیں جس کے تحت پاکستان اور افغانستان آتے ہیں۔ انڈیا پیسفک کمان کے دائرے میں آتا ہے۔ افغانستان کے صدر حامد کرزئی نے افغانستان میں ترقیاتی کاموں کا ذکر کیا ہے۔ وہ اگست میں دوبارہ انتخاب لڑنے والے ہیں، جس میں وہ غالباً اپنے پانچ سالہ دور میں ہونے والی ترقی پر زور دیں گے۔ سڑکیں اور اسکول تعمیر ہوئے ہیں۔

طالبان القاعدہ کا حصہ نہیں ہیں۔ ان سے مفاہمت ہونی ضروری ہے۔ طالبان دراصل افغان باشندے ہیں جو اپنے ملک واپس آنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ افغانستان منشیات کا ملک نہیں ہے اور افغانستان کوئی ناکام Failed State بھی نہیں ہے۔ سرکاری حکام کا عمومی رویہ یہ ہوتا کہ جب تک اسٹیٹ ان کی تنخواہ اور اخراجات دے رہی ہے، اسے ناکام نہیں قرار دیا جاسکتا۔

نئے خصوصی ایلچی مسٹر ہال بروک نے کانفرنس میں کہا کہ افغانستان کے لئے کوئی جادو کا فارمولا نہیں ہے۔ افغانستان میں کوئی Dayton Agreement بھی نہیں ہوا ہے۔ یہ سمجھوتا بوسنیا میں قیام امن کے لئے ہوا تھا جس کے تحت بوسنیا نے نیٹو افواج کی سیکورٹی چھتری کے تحت پناہ لی تھی۔ بوسنیا بہت چھوٹا سا ملک ہے۔ جب یوگوسلاویہ ٹوٹا تو امریکیوں نے بوسنیا کے اعلان خودمختاری کی حمایت کی تھی۔ وہاں اقوام متحدہ کی امن فوج کے جھنڈے تلے ۴۰۰ سپاہی متعین کئے گئے۔ ان لوگوں نے گھر گھر جا کر مسلمانوں سے اسلحہ واپس لیا، مسلمان تقریباً نہتے ہوگئے، پھر سربیا کے فوجیوں نے، جو انتہائی مسلح تھے، حملہ کیا اور اقوام متحدہ کی امن فوج بوسنیا چھوڑ گئی، اس کے بعد مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں قرارداد منظور ہوئی کہ بوسنیا کو اسلحہ فراہم نہ کیا جائے کیونکہ اس سے جنگ طول پکڑے گی۔ بوسنیا کے علاقے جو ساحل سمندر پر تھے، وہ غیر مسلم گروپوں نے چھین لئے، بندرگاہ کی وجہ سے دوسرے ممالک سے ہر طرح کی رسد آسان ہوتی ہے، دوران امن بھی اور دوران جنگ بھی ایسے حالات میں بوسنیا کے پاس سوائے نیٹو کی غلامی کے کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ افغانستان میں ڈیٹن سمجھوتہ نہیں لیکن اس قسم کا دوسرا سمجھوتہ موجود ہے۔ حکمراں افغانستان نے امریکی اور نیٹو افواج کی فوجی سرپرستی قبول کرلی ہے۔ فرق یہ ہے کہ افغانستان کے عوام طاقتور ہیں، انہوں نے قابض فوجوں کے سامنے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے۔

جنرل پیٹریئس عراق میں تھے، جس وقت صدر بش نے وہاں Surge کا اعلان کیا اور مزید 30,000 فوجی بھیجے، یہی حکمت عملی افغانستان میں بھی آزمائی جانے والی ہے۔ چونکہ عراق میں اس وقت اتنا تشدد اور مزاحمت نہیں ہے، جتنا کہ پہلے تھا اس لیے اس کا کریڈٹ Surge اور جنرل پیٹریئس کو دیا جارہا ہے۔ توقع ہے کہ وہ افغانستان میں بھی وہ کامیابی حاصل کرسکیں گے لیکن اس قسم کی توقعات درست نہیں ہیں۔ عراق کی اکثریت کا مفاد خون خرابہ کرنے میں نہیں ہے۔ اگر سویلین اور جمہوری حکومت واقعی قائم ہوتی ہے تو اس میں اکثریتی ووٹروں کا مفاد ہوگا۔ افغانستان کی آبادی کی زبردست اکثریت ایک ہی دینی مکتب فکر سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کی ثقافتی اقدار مختلف ہیں، وہاں اب بھی یہ اصول ہے کہ اگر آپ نے میرے مہمان کو قتل کیا تو میں آپ کے مہمان کو قتل کروں گا اور جرگہ کی نظر میں یہی انصاف ہوگا۔ اس صورت میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کے حوالے سے افغانستان امریکہ اور نیٹو کے لیے ایک دلدل ثابت ہوسکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ امریکی فوجی Video War کے عادی ہوگئے ہیں۔ ڈرون طیاروں میں پائلٹ نہیں ہوتا۔ یہ جاسوس طیارہ Video کے ذریعے سات ہزار میل دور ریاست ورجینیا سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اسکرین پر مقام کا مطالعہ کرنے کے بعد اسی ڈرون میں نصب میزائل مارنے کے لیے ایک بٹن دبایا جاتا ہے۔ اس سے ہونے والے نقصان کا تخمینہ لگا کر رپورٹ فائل کردی جاتی ہے، جس سپاہی نے اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے 10 یا 20 افراد کو مارا، وہ ہیرو ہوا، ڈیوٹی ختم ہوئی، اپنی کار میں بیٹھ کر گھر گیا یا کسی شراب خانے گیا......!

چھاپہ مار جنگ میں کسی نہ کسی وقت زمین پر قدم رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ خبر آئی تھی کہ جنوبی افغانستان میں ہزاروں مربع میل کے علاقے میں نیٹو کے صرف 20,000 سپاہی ہیں، جن میں Combat فوجیوں کی تعداد تقریباً نصف ہوگی۔ یہ لوگ اندرونی علاقوں میں اور خاص طور سے رات کے وقت جاتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ وہاں طالبان کا قبضہ ہے اور یہ لوگ اپنی بکتر بند گاڑیوں میں سڑکوں کا پہرہ دیتے ہیں۔

پولینڈ کے وزیر خارجہ نے خبردار کیا ہے کہ اگر اس سال افغانستان میں حالات پر قابو نہ پایا گیا تو بعد میں یہ بہت مشکل ہوگا اور جنگ کے حوالے سے یہ سال اپریل کے موسم بہار سے شروع ہوکر اکتوبر 2009 تک جاری رہے گا۔

برطانیہ کے وزیر دفاع John Hutton نے نیٹو پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ نیٹو کی ذہنیت نوکرشاہی کی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ Wartime mentality کا مظاہرہ کرے۔ دوسری جنگ عظیم کی بات اور تھی، ہر اتحادی ملک پر Axix افواج اور فضائیہ حملے کرتی تھی، خاص طور پر برطانیہ، فرانس، پولینڈ وغیرہ پر۔ کچھ جگہوں پر ہتھیار ڈالے جاچکے تھے۔ جب آپ کے طیارے میں پائلٹ بھی نہ ہو تو پھر صرف مشن کے لیے تو وہ جذبات نہیں پیدا ہوتے جو کسی انسان کے خطرہ مول لینے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ نیٹو افواج کے دیگر ممالک کو تو 11 ستمبر کے سانحے کا بھی تجربہ نہیں ہے۔ غالباً یہ اتحادی ممالک سمجھتے ہیں کہ محض ایک واقعہ میں 2800 افراد کی ہلاکت کے لیے 8 برس تک اپنے سپاہی مروانا دانشمندی نہیں ہے۔ حملہ کروانے والا عرب تھا۔ ہائی جیکر عرب اور مصری تھے۔ ان لوگوں کے ممالک پر ایک بم بھی نہیں گرایا گیا جب کہ افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ جب تک آپ کی جنگ کا جواز منطقی اور اخلاقی لحاظ سے ٹھوس نہیں ہوگا، اس وقت تک سپاہیوں میں جان دینے کا اور عوام میں قربانیاں دینے کا جوش اور ولولہ پیدا نہیں ہوسکتا! ●●

دین اسلام اور معاشرتی حقوق

ظفر عاقل: ....دارالعلوم صفہ، نظام آباد

ایک ذمہ دار اور متوازن معاشرہ جو انسانیت کو مقام عدل پر قائم رکھ سکے تاکہ حقوق اور فرائض کے درمیان درکار توازن سے استفادہ ہوسکے آسان بات نہیں ہے۔ انسان ایک ایسا سماجی ومعاشرتی حیوان ہے جو عقل وتمیزی قوت کے سبب دیگر ذی روح مخلوقات سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ خوب تر کی تلاش اور اپنی ذات پر اپنے دیگر ہم جنسوں کو مقدم کرنے اور قربانی دینے کا جذبہ انسان کو ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ ایک طرف ایسی رفعت، اونچائی اور معراجی کیفیات کہ خالق کون ومکاں کسی انسانی فعل پر اعلان کرے کہ فلاں کام تم نے نہیں انجام دیا بلکہ ہم نے انجام دیا۔ (الانفال 17) اس پر جہاں خوشی وانبساط اور فرحت وتفاخر سے انسانیت کا سربلند ہوتا ہے۔ دوسری جانب پستی کی وہ اتھاہ دلدل کہ جس میں انسان خود کو اپنی اعلیٰ اقدار کو، اپنی اعلیٰ صفات کو گرادیتا ہے کہ جانور بھی اس ذلت کو اور اس گھناؤنے انداز کو دیکھ کر شرما جائے۔ قرآن مجید نے بڑے ہی بلیغ انداز میں اس عروج وپستی کو بیان کیا تاکہ سنبھلنے اور سنبھالنے کا کام جو کہ انسان کا فرض منصبی ہے سہل ہوسکے جب کہ ایک اور رخ سے جہاں یہ ارشادات خدائی تنبیہ ہیں اتمام حجت بھی ہیں۔ دنیا میں مختلف مذاہب کا پایا جانا دراصل راہ حق سے اعراض کے ایسے ثبوت ہیں جس سے انسان کی سیمابی سرشت وکیفیت کا اظہار ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ راہ حق سے گریز یا شیطانی گرفت میں پھنس جانے کا اعلان بھی اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ رب العزت نے انسان کو اختیار کی آزادی دے کر اور بلا جبر واکراہ اچھے برے میں سے کسی ایک راہ کو اپنانے کی صلاحیت وقوت، بصارت وبصیرت، فہم وذکاوت حلم وبرباری عطا کرکے اسلا ایک امتحانی عرصہ میں رکھ دیا ہے تاکہ انسان خود اپنے بھلے برے، اور نفع ونقصان کو پہچانے اور اسی کے مطابق اپنی دنیوی زندگی کی راہ اختیار کرے۔ چنانچہ اچھائی ونیکی کو قبول کرنے کی ہدایت اور بدی وبرائی کو اخذ واختیار کرنے کی قوت ہر دو راستوں کے امکانات کو کھلا رکھ دیا گیا ہے۔ چنانچہ انسانی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ نہ صرف راہ حق سے گریز اور دوری اختیار کرنے کی وجہ سے بلکہ کچھ تو انسان کی سیمابی فطرت نے نیز شیطانی وساوس اور بہکاوے کی وجہ سے انسان نے اپنے لیے جو بھی نظام ہائے زندگی اختیار کیے ہیں، وہ افراط وتفریط اور ظلم وزیادتی پر منتج ہوئے۔ کہیں دنیا پرستی ومادیت کا عروج کسی لکشمی دیوی کے چرنوں کی خاک چاٹنے کے لیے انسان کو مجبور کرتا ہے تو کہیں رہبانیت اور شادی بیاہ سے فرار اور دنیا سے کسی بھی قسم کے تعلق کا رکھنا بھی نجاست کے حدود میں ڈھکیلتا ہوا خدا کی تلاش میں سرگرداں محسوس ہوتا ہے۔

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ، جو نہ صرف کائنات کے ذرہ ذرہ کا پیدا کرنے والا ہے بلکہ انسان کی تخلیق بھی اس کے کلمہ کُن کا مظہر ہے، نے انسانی فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کا صحیح وفطری نظام وطریقہ جس کو دین اسلام کہا جاتا ہے عطا فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہلے انسان کو نہ صرف نبی ورسول بنایا گیا بلکہ اللہ کا خلیفہ بھی قرار دیا گیا اسی طرح سارے انبیائے کرام اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ زندگی یعنی دین اسلام کو لوگوں کے سامنے پیش کیا کہ اس پر چل کر ہی انسان کی زندگی کامیاب ہوسکتی ہے اور اللہ کے غضب سے بچاؤ ممکن ہے، ساتھ ساتھ دوزخ کے عذاب سے چھٹکارہ بھی۔ اللہ کی رضا اور خوشنودی بھی اسی میں ہے اور جنت کی لازوال نعمتوں کا حصول بھی۔ یہی وہ اصل وصحیح دین ہے جو انسان کی دنیوی زندگی کو افراط وتفریط سے بچا کر خود دنیا کو جنت کا نمونہ بنا سکتا ہے اور اسی دین اسلام نے معاشرتی حقوق کا وہ حسین ومکمل نمونہ انسان کو دیا ہے کہ جس کی نظیر ملنا ممکن نہیں اور اسی دین اسلام نے اللہ کے حقوق کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کے نام سے تفصیل کے ساتھ بندوں کے حقوق کا تذکرہ اس شان واہتمام کے ساتھ کیا ہے کہ ان کے بغیر اللہ کی خوشنودی کا تصور ممکن ہی نہیں۔ اور ایک مسلم ومومن سے مطالبہ بھی کیا کہ وہ اللہ کی بندگی کے ساتھ ساتھ

(باقی صفحہ ۸ پر)

اہم خبروں کا اختصار

ملکی

● نئی دہلی- الیکشن کمیشن نے پندرہویں لوک سبھا کے لئے پانچ مرحلوں میں ۱۶/اپریل سے ۱۳/مئی تک انتخابات کے پروگرام کا اعلان کردیا ہے اس کے ساتھ ہی انتخابی ضابطہ اخلاق کا نفاذ ہوگیا۔ لوک سبھا کے ساتھ آندھرا پردیش، اڑیسہ اور سکم اسمبلیوں کے بھی انتخابات ہوں گے۔

● لکھنؤ- اترپردیش کی وزیر اعلیٰ مایاوتی نے یہاں پارٹی کے اختتامیہ قومی اجلاس میں لوک سبھا الیکشن کا بگل بجاتے ہوئے کہا کہ یوپی ہماری ہے، اب دہلی کی باری ہے۔

● احمد آباد- گجرات ہائی کورٹ نے گجرات فسادات کے دوران نرودہ پاٹیا قتل عام کی ملزم ریاستی وزیر مایا کوڈنانی اور وشو ہندو پریشد کے لیڈر جے دیپ پٹیل کی پیشگی ضمانت رد کرنے سے متعلق عرضی پر سماعت ۹/مارچ تک ملتوی کردی۔

● نئی دہلی- چودھری اجیت سنگھ کی پارٹی راشٹریہ لوک دل نے قومی جمہوری اتحاد میں شمولیت اختیار کرلی، اترپردیش میں بی جے پی کے ساتھ اس کا انتخابی اتحاد ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی این ڈی اے میں شامل جماعتوں کی تعداد ۹ ہوگی۔

● نئی دہلی- راجیہ سبھا میں راشٹریہ لوک دل کے ایم پی مولانا محمود مدنی نے این ڈی اے میں اپنی پارٹی کی شمولیت پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ پارٹی لیڈر اجیت سنگھ کی کوئی بھی سیاسی مجبوری ہو انہیں این ڈی اے میں پارٹی کی شمولیت کا فیصلہ منظور نہیں۔ اگلا قدم اپنے بزرگوں اور ساتھیوں سے مشورے کے بعد اٹھائیں گے۔

● ممبئی- سی بی آئی نے ۲۰۰۶ء کے مالیگاؤں قبرستان بم دھماکہ معاملہ میں معطل لیفٹیننٹ کرنل سری کانت پروہت سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے مکوکا عدالت سے اجازت حاصل کرلی ہے۔ کرنل پروہت ستمبر ۲۰۰۸ء کے مالیگاؤں دھماکے کے ملزم ہیں، جب کہ ۲۰۰۶ء کے دھماکہ کا الزام مسلمانوں پر لگایا گیا تھا اس کی انکوائری سی بی آئی کررہی ہے۔

● نئی دہلی- صدر جمہوریہ پرتبھا پاٹل نے مرکزی حکومت کی ایماء پر الیکشن کمشنر نوین چاولہ کو ہٹانے کی چیف الیکشن کمشنر این گوپال سوامی کی سفارش نامنظور کردی۔ بی جے پی نے اسے افسوسناک قرار دیا ہے۔

● گوپال- وزیر ریلوے لالو پرساد یادو نے کہا کہ بی جے پی الیکشن کے وقت رام مندر کا معاملہ پھر اٹھارہی ہے، پارٹی کو رام سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ وہ تو مرکز میں خود اپنا مندر تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ اس کے لئے عوام کے مذہبی جذبات کو بھڑکارہی ہے۔

● نئی دہلی- سماج وادی پارٹی کے صدر ملائم سنگھ یادو نے کہا کہ اگر ان کی قیادت میں مرکزی حکومت بنی تو جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو اقلیتی کردار کا درجہ دے دیا جائے گا اور اگر ان کی حمایت سے بنی تو تب بھی حکومت کی حمایت کے وقت یہ بات رکھی جائے گی۔

● لکھی سرائے- بہار میں کیول جموئی ریل سیکشن کے بھلوائی ہالٹ پر سی پی آئی ماؤ نواز کے انتہا پسندوں نے دھماکہ کرکے اپ اینڈ ڈاؤن لائنیں اڑادیں۔

● نئی دہلی- تیلگودیسم کے سربراہ این چندرا بابو نائیڈو نے کہا ہے کہ کانگریس اور بی جے پی اب علاقائی پارٹیاں ہوگئی ہیں۔ ان کی کل ہند موجودگی اب نہیں رہی۔ ہمیں امید ہے کہ تیسرا محاذ ہی مرکز میں حکومت بنائے گا۔

● پورٹ بلیئر- بی جے پی کے صدر راج ناتھ سنگھ نے کہا ہے کہ کانگریس وزیر اعظم کے عہدے کے اپنے امیدوار کے نام کا اعلان نہ کرکے عوام کو گمراہ کررہی ہے۔

● کانپور- اترپردیش کے محکمہ محنت نے انورگنج ریلوے اسٹیشن کے قریب چپل کی ایک فیکٹری میں کام کرنے والے ۲۶ بچوں کو آزاد کرایا۔

● کلکتہ- کانگریس اور ترنمول کانگریس کے درمیان مغربی بنگال میں اتحاد ہوگیا۔ اب نشستوں کی تقسیم باقی ہے۔

● نئی دہلی- وزیر خارجہ پرنب مکھرجی نے حکومت بنگلہ دیش کو تحریر کردہ خط میں کہا ہے کہ ہندوستان بنگلہ دیش کی مدد کے لئے تیار ہے۔

● نئی دہلی- سی بی ایس ای کے تحت ملک بھر میں ۲/مارچ سے دسویں اور بارہویں بورڈ کے امتحانات شروع ہوگئے۔

بین الاقوامی

● کولمبو- سری لنکائی فوج نے ایم ڈی ایم کے لیڈر وائیکو کی کچھ تصویریں اور ویڈیو فوٹیج جاری کی ہیں جس میں وہ ممنوعہ تنظیم ایل ٹی ٹی ای کے سربراہ پربھاکرن کے ساتھ نظر آرہے ہیں۔ یہ تصویریں ایل ٹی ٹی ای کے ٹھکانے سے ملی ہیں۔ واضح رہے کہ وائیکو ایل ٹی ٹی ای کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔

● کٹھمنڈو- نیپال میں ماؤنوازوں کی زیر قیادت سرکار نے نارائن ہیتی محل میں ۲۰۰۱ء میں شاہی خاندان کے زیادہ تر ارکان کے قتل عام کی انکوائری پھر سے کرانے کے لئے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

● بغداد- صدام حسین کے چچازاد بھائی کیمیکل علی کو ۱۹۹۹ء میں شیعوں کو ہلاک کرنے اور اجاڑنے کے معاملہ میں عراق کی ایک عدالت نے تیسری مرتبہ سزائے موت سنائی۔ ۱۴ مدعا علیہ میں دو کو سزائے موت اور چار کو عمر قید کی سزا ہوئی جب کہ عدالت نے سابق نائب وزیر اعظم طارق عزیز کو بری کردیا۔

● ریاض- خلیجی تعاون کونسل کے ۶ ارکان سعودی عرب، عمان، کویت، متحدہ عرب امارات، بحرین اور قطر نے غزہ پٹی کی تعمیر نو کے لئے ۱.۶۵ ارب ڈالر دینے کا وعدہ کیا ہے۔

● شرم الشیخ - بین الاقوامی عطیہ دہندگان نے یہاں شرم الشیخ کانفرنس میں غزہ کی اسرائیلی ناکہ بندی پر تشویش کا اظہار کیا اور فلسطینی اتھارٹی کو مدد دینے کا وعدہ کیا، توقع ہے کہ مجموعی امدادی رقم تین ارب ڈالر سے تجاوز کرجائے گی۔

● شرم الشیخ- اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بان کی مون نے شرم الشیخ کانفرنس میں کہا کہ جب تک اسرائیل اور غزہ کے درمیان سرحدی کراسنگ بند رہے گی، ساحلی علاقہ کی تعمیر نو کا کام آسان نہیں ہوگا۔ کیونکہ نہ تو وہاں امدادی کارکنان جاسکتے ہیں اور نہ لازمی اشیاء پہنچائی جاسکتی ہیں۔

● ڈھاکہ- بنگلہ دیش کی پولیس نے فوج میں ۳۳ گھنٹے کی خونریز بغاوت کے ذمہ دار چھ افراد کی نشاندہی کردی ہے۔

● اسلام آباد- پاکستان کے سابق صدر پرویز مشرف نے کہا ہے کہ افغانستان میں امریکی فوج کی تعداد میں اضافہ مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ خطہ میں قیام امن کے لئے امریکہ کو آخر ڈیل کا سہارا لینا ہی پڑے گا۔

● واشنگٹن- کناڈا کے وزیر اعظم اسٹیفن ہارپر نے کہا ہے کہ ہم افغان جنگ نہیں جیت سکتے، ہمیں وہاں ایسی حکومت چاہئے جو اپنے دم پر عسکریت پسندی پر قابو پاسکے۔ واضح رہے کہ افغانستان میں کناڈا کے ۲۷۰۰ فوجی ناٹو میں شامل ہیں۔ ان کی تعیناتی فی الحال ۲۰۱۱ء تک ہے۔ اب تک ۱۰۰ کناڈیائی فوجی وہاں مارے جاچکے ہیں۔

● واشنگٹن- امریکہ کے جوائنٹ چیف آف اسٹاف ایڈمرل مائک مولن نے ایک امریکی ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ایران کے پاس اتنا جوہری مواد موجود ہے کہ وہ جوہری بم بناسکتا ہے بلکہ اس کے پاس جوہری ہتھیار بھی ہیں۔

● کابل- امریکی وزارت خارجہ نے ایک بار پھر کہا ہے کہ اس کے خیال میں افغانستان میں صدارتی انتخابات کے لئے اگست کی تاریخیں مناسب رہیں گی جب کہ افغان صدر حامد کرزئی نے ۲۱/اپریل کی تاریخ تجویز کی تھی، جب کہ ان کی میعاد ۲۱/مئی کو پوری ہورہی ہے۔ صدارتی مدت ختم ہونے سے ۳۰ سے ۶۰ دن قبل الیکشن ہوجانا چاہئے ورنہ ملک میں آئینی بحران پیدا ہوجائے گا۔

● کابل- افغانستان الیکشن کمیشن کے سربراہ عزیز اللہ لودین نے کہا ہے کہ صدارتی الیکشن کے لئے ۲۰/اگست کی تاریخ کا فیصلہ افغان اور بین الاقوامی سیکوریٹی فورسیز کے مشورے سے کیا گیا تھا۔ صدر حامد کرزئی کے پاس یکطرفہ طور پر انتخابات کی تاریخ متعین کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ وہ تاخیر کی ذمہ داری الیکشن کمیشن اور اپنے مخالفین پر ڈال رہے ہیں۔

● واشنگٹن- امریکی صدر بارک حسین اوباما نے کہا ہے کہ ہمیں یہ یاد رکھنا ہوگا کہ افغانستان میں جنگ کو صرف فوج کے زور پر نہیں لڑا جاسکتا۔ اس کے لئے نہ صرف ایک باا‌ثر سرکار کی ضرورت ہے بلکہ پاکستان کے تعاون کی بھی ضرورت ہے۔

کہاں کب ہوں گے لوک سبھا کے انتخابات

کل نشستیں	:	۵۴۳
کل رائے دہندگان	:	۷۱ کروڑ (چار کروڑ ۳۰ لاکھ کا اضافہ)
پولنگ مراکز	:	۸ لاکھ ۲۸ ہزار ۸۰۴ (۱۲۹۰۱ کا اضافہ)
انتخابات ہوں گے	:	۱۶، ۲۳، ۳۰/اپریل، ۷، ۱۳/مئی
ووٹوں کی گنتی	:	۱۶/مئی
نئی لوک سبھا کی تشکیل	:	۲/جون
الیکٹرانک ووٹنگ مشینوں کا استعمال	:	۱۱ لاکھ
انتخابی ڈیوٹی پر ملازمین	:	۴۰ لاکھ
انتخابی ڈیوٹی پر سیکوریٹی اہلکار	:	۲۱ لاکھ

پہلے مرحلہ میں ۱۲۴ نشستوں پر ۱۶/اپریل کو، دوسرے مرحلہ میں ۱۴۱ نشستوں پر ۲۳/اپریل، تیسرے مرحلہ میں ۱۰۷ نشستوں پر ۳۰/اپریل کو، چوتھے مرحلہ میں ۸۵ نشستوں پر ۷/مئی کو اور پانچویں مرحلہ میں ۸۶ نشستوں پر ۱۳/مئی کو انتخابات ہوں گے۔

ریاست	نشستیں	انتخابی پروگرام
اترپردیش	۸۰	۱۶، ۲۳، ۳۰/اپریل، ۷/اور ۱۳/مئی
جموں وکشمیر	۶	۱۶، ۲۳، ۳۰/اپریل، ۷/اور ۱۳/مئی
بہار	۴۰	۱۶، ۲۳، ۳۰/اپریل اور ۷/مئی
مغربی بنگال	۴۲	۳۰/اپریل، ۷/اور ۱۳/مئی
مہاراشٹر	۴۸	۱۶، ۲۳/اور ۳۰/اپریل
آندھرا پردیش	۴۲	۱۶، ۲۳/اپریل
آسام	۱۴	۱۶، ۲۳/اپریل
جھارکھنڈ	۱۴	۱۶، ۲۳/اپریل
کرناٹک	۲۸	۲۳/اور ۳۰/اپریل
مدھیہ پردیش	۲۹	۲۳، ۳۰/اپریل
منی پور	۲	۱۶، ۲۳/اپریل
پنجاب	۱۳	۷/اور ۱۳/مئی
اڑیسہ	۲۱	۱۶/اور ۲۳/اپریل
تملناڈو	۳۹	۱۳/مئی
گجرات	۲۶	۳۰/اپریل
کیرلا	۲۰	۱۶/اپریل
راجستھان	۲۵	۷/مئی
ہریانہ	۱۰	۷/مئی
چھتیس گڑھ	۱۱	۱۶/اپریل
اتراکھنڈ	۵	۱۳/مئی
دہلی	۷	۷/مئی
تریپورہ	۲	۲۳/اپریل
اروناچل پردیش	۲	۱۶/اپریل
میگھالیہ	۲	۱۶/اپریل
انڈومان نکوبار	۱	۱۶/اپریل
چنڈی گڑھ	۱	۱۳/مئی
دادرونگر حویلی	۱	۳۰/اپریل
دمن اینڈ دیو	۱	۳۰/اپریل
گوا	۲	۲۳/اپریل
ہماچل پردیش	۴	۱۳/مئی
لکشدیپ	۱	۱۶/اپریل
میزورم	۱	۱۶/اپریل
ناگالینڈ	۱	۱۶/اپریل
پانڈیچری	۱	۱۳/مئی
سکم	۱	۳۰/اپریل

نوٹ: لوک سبھا انتخابات کے ساتھ آندھرا پردیش اور اڑیسہ کے اسمبلی انتخابات بھی دو مرحلوں میں ۱۶/اور ۲۳/اپریل کو اور سکم کے اسمبلی انتخابات ۳۰/اپریل کو ہوں گے۔ ۲۰۰۴ء کے بعد ہونے والے عام انتخابات کے لئے ۵۴۳ سے ۴۹۹ نشستوں کی حد بندی ہوچکی ہے۔ اروناچل پردیش، آسام، جموں وکشمیر، جھارکھنڈ اور ناگالینڈ میں حد بندی نہیں ہوئی ہے، آسام، ناگالینڈ اور جموں وکشمیر کو چھوڑ کر تمام ریاستوں میں باتصویر ووٹر لسٹ ہوگی۔ نئی حد بندی کے بعد درج فہرست ذات کی پانچ نشستیں بڑھ کر ۸۴ اور درج فہرست قبائل کی چھ نشستیں بڑھ کر ۴۷ ہوگئی ہیں۔ جنرل نشستوں کی تعداد ۴۱۲ ہے۔ اس بار پانچ پولنگ مراکز انوکھے ہوں گے۔ گجرات کے گرجنگلی علاقہ میں یک ووٹر کے لئے ایک پولنگ مرکز، چھتیس گڑھ میں دو دو ووٹروں کے لئے ایک پولنگ مرکز اور اروناچل پردیش میں تین الگ الگ علاقوں میں ایک ایک ووٹر کے لئے ایک ایک پولنگ مرکز کل تین پولنگ مراکز ہوں گے۔

راجدھانی دہلی کی انتخابی تصویر

حد بندی سے قبل ۲۰۰۴ء کے عام انتخابات میں

لوک سبھا کے حلقے	اسمبلی حلقے کی تعداد	رائے دہندگان کی تعداد
نئی دہلی	۵	۴.۵ لاکھ
جنوبی دہلی	۱۰	۱۳ لاکھ
مشرقی دہلی	۲۰	۲۷ لاکھ
چاندنی چوک	۴	۳.۷۵ لاکھ
باہری دہلی	۲۱	۳۸ لاکھ
صدر	۵	۴.۵ لاکھ
قرول باغ (محفوظ)	۵	۵ لاکھ

نوٹ: تمام نشستوں پر کانگریس کے امیدوار کامیاب ہوئے تھے۔

حد بندی کے بعد ۲۰۰۹ء کے عام انتخابات کے لئے نئی نشستیں

نئی دہلی	۱۰	۱۳۴۳۱۲۶
جنوبی دہلی	۱۰	۱۶۳۹۷۶۸
مشرقی دہلی	۱۰	۱۶۰۴۱۸۰
چاندنی چوک	۱۰	۱۳۱۰۴۸۰
شمالی مشرقی دہلی	۱۰	۱۶۷۲۶۰۸
شمال مغربی دہلی (محفوظ)	۱۰	۱۷۹۴۲۷۸
مغربی دہلی	۱۰	۱۹۸۴۲۷۵

ایک خواب جو حقیقت بننے والا ہے

منصور محمود بھٹی

چیک ری پبلک کے ایوان زیریں نے ریفارم ٹریٹی یورپی آئین کی تصدیق کے متعلق منظوری دے دی ہے، جس کے ساتھ ہی مشہور زمانہ ریفارم ٹریٹی یعنی یورپی آئین کی تصدیق کے متعلق منظوری دے دی ہے، جس کے ساتھ ہی مشہور زمانہ ریفارم ٹریٹی کے تعطل میں بھی کمی آگئی ہے۔ یورپی یونین کی صدارت ممبر ممالک کو باری باری چھ ماہ کے لئے ملتی ہے۔ اس وقت یہ صدارت بھی چیک ری پبلک ہی کے پاس ہے اور ممبر ممالک ریفارم ٹریٹی کی منظوری کے لئے چیک ری پبلک پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے۔ اس وقت چیک ری پبلک میں سیاسی صورتحال بڑی دلچسپ ہے، جہاں گورنمنٹ تو ریفارم ٹریٹی کو منظور کرانا چاہتی ہے لیکن صدر اس منظوری کے خلاف ہیں، لیکن قرائن یہی بتاتے ہیں کہ اندرونی اور بیرونی دباؤ کے پیش نظر صدر بالآخر منظوری پر دستخط کرہی دیں گے۔

یاد رہے کہ ۲۰۰۵ء میں فرانس اور نیدرلینڈ نے ڈرافٹ یورپی آئین مسترد کردیا تھا، اور دسمبر ۲۰۰۷ء میں لزبن میں منظور کیا گیا ریفارم ٹریٹی اسی کا متبادل تھا۔ لیکن ۱۲/جون ۲۰۰۸ء کو آئرلینڈ میں اس پر ریفرنڈم ہوا جسے آئرلینڈ کے عوام نے مسترد کردیا۔ یورپی یونین قوانین کے مطابق اس کے ۲۷ ممالک ممبر میں سے کوئی بھی اس کی تصدیق کرنے میں ناکام رہا تو اس کا نفاذ ممکن نہیں۔ ریفارم ٹریٹی کے حامیوں کے مطابق اس کا مقصد یورپی یونین کے اداروں کو مربوط اور متوازن بنانا ہے تاکہ اس ۲۷ رکنی بلاک کی کارکردگی بہتر ہو۔ لیکن اس کے مخالفین کے مطابق یورپی یونین کا یہ وفاقی طرز کا ایجنڈا ممبر ممالک کی خودمختاری اور اقتدار اعلیٰ کے لئے خطرہ ہے۔ اب تو مخالفین اور ریفارم ٹریٹی مرتب کرنے والے کچھ عناصر یہ بھی کہتے ہیں کہ ریفارم ٹریٹی اور پہلے ڈرافٹ میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اب تک آسٹریا، بیلجیم، بلغاریہ، قبرص، ڈنمارک، اسٹونیا، فن لینڈ، فرانس، جرمنی، یونان، ہنگری، اٹلی، لیٹویا، لیتھوانیا، لکسمبرگ، مالٹا، نیدرلینڈ، پرتگال، رومانیہ، سلوویکیا، سلووینیا، اسپین، سویڈن اور انگلینڈ کی پارلیمان نے ریفارم ٹریٹی کی منظوری دی ہے، مگر گزشتہ سال آئرلینڈ نے ریفارم ٹریٹی ریفرنڈم میں معاہدے کو مسترد کردیا تھا۔ جرمنی نے بھی معاہدے کی تصدیق میں بعض قانونی رکاوٹیں پیدا کی ہیں۔ پولینڈ کے صدر بھی معاہدے کی تصدیق کو ٹال رہے ہیں۔ چیک ری پبلک کے ایوان زیریں نے تو معاہدے کی منظوری دے دی ہے مگر ایوان بالا میں ابھی تک اسے منظور نہیں کیا۔

فرانس کے خیال میں ریفارم ٹریٹی یونین کے اتحاد کی علامت ہے، لہٰذا وہ تمام ممبرز پر زور دے رہا ہے کہ وہ اس معاہدہ کو تسلیم کرلیں۔ فرانس کے صدر سرکوزی نے اس معاہدہ پر دوبارہ مذاکرات کے امکانات کو بھی مسترد کردیا ہے۔ صرف چیک ری پبلک، جرمنی، آئرلینڈ، اور پولینڈ نے ابھی تک اس معاہدہ کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ یورپی یونین کی صدارت اس وقت چیک ری پبلک کے پاس ہے مگر چیک ری پبلک کے صدر کے انکار کی وجہ سے اس کی تصدیق ایک پیچیدہ مسئلہ بن گئی ہے۔ چیک ری پبلک کے صدر کے مطابق معاہدے کی تصدیق سے چیک ری پبلک کے عوام کی متعدد آزادیاں ختم ہوجائیں گی۔ اس کے علاوہ ان کے خیال میں معاہدہ کی تصدیق سے برسلز، جو یورپ کا منتقبہ دارالحکومت ہے آمرانہ طاقت کا مرکز بن جائے گا۔

یاد رہے کہ ۱۸/فروری ۲۰۰۹ء کو چیک ری پبلک کے ایوان زیریں نے اس معاہدہ کو منظور کیا تھا لیکن ایوان بالا کے بعض سینیٹرز کا خیال ہے کہ چیک ری پبلک میں امریکی راڈار کی تنصیب کے فیصلے تک معاہدے کی تصدیق موخر کردی جائے۔ چیک ری پبلک کے اپنی سرزمین پر امریکی ریڈار سسٹم نصب کرنے کے فیصلے پر یورپی یونین کے تمام ممبرز ممالک چیک ری پبلک کی سیاسی قیادت پر کڑی تنقید کررہے ہیں۔ یورپی یونین کے بہت سے ممالک کا خیال ہے کہ امریکی ریڈار سسٹم کی تنصیب سے یورپی یونین اور روس کے تعلقات کشیدہ ہوجائیں گے، کیونکہ روس ان تنصیبات کو اپنے لئے خطرہ سمجھتا ہے۔

جرمنی میں پارلیمانی منظوری کے باوجود آئینی عدالت اس معاہدے پر غور کررہی ہے کیونکہ مخالفین کے مطابق یہ معاہدہ جرمن آئین سے متصادم ہے۔ ۲۰۰۷ء میں جب پرتگال کے شہر لزبن میں ریفارم ٹریٹی منظور کیا گیا تو جرمنی کی پارلیمان نے سب سے پہلے اس کی منظوری دی۔ علاوہ ازیں یورپی آئین کو منظور کرنے والے ممالک میں بھی جرمنی شامل تھا لیکن فرانس اور نیدرلینڈ کے انکار کی وجہ سے منصوبے پر پیش رفت نہ ہوسکی برطانیہ میں بھی قدامت پسند حزب مخالف لزبن معاہدے پر ریفرنڈم کے حق میں ہیں۔ عام انتخابات میں کامیابی کے لئے وہ معاہدے کی تصدیق کو معرض التواء میں ڈال سکتے ہیں۔

پولینڈ کے صدر نے اس معاہدہ کو بے مقصد قرار دیتے ہوئے اس پر دستخط کرنے سے انکار کردیا ہے۔ وہ پہلے آئرلینڈ سے تصدیق کا انتظار کررہے ہیں۔ آئرلینڈ کے وزیر اعظم نے معاہدہ پر لوگوں کی رضامندی معلوم کرنے کے لئے اس سال ریفرنڈم پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ امید ہے کہ اس دفعہ وہ ریفرنڈم میں معاہدہ کو تسلیم کرلیں گے کیونکہ ان کے تمام خدشات دور کردیئے گئے ہیں۔ یورپی یونین کے بہت سے لیڈر لزبن معاہدہ کو پہلے آئین میں معمولی سی ترمیم قرار دیتے ہیں، جس کے لئے ریفرنڈم ضروری ہی نہیں لیکن آئرلینڈ میں معاہدہ کے مخالفین، برطانیہ کے قدامت پسند اور یورپی یونین کے یورونا قدین اس سے متفق نہیں۔ آئرلینڈ میں معاہدہ کے ایک مخالف لیڈر ڈیکلان گینلے نے کہا ہے کہ جون میں یورپی پارلیمنٹ کے انتخابات میں یورپی یونین کی تمام ریاستوں سے ان کے امیدوار حصہ لیں گے۔ آئرلینڈ کی سپریم کورٹ نے ۱۹۸۷ء میں ایک رولنگ دی جس کے مطابق یورپی یونین کے معاہدے میں کسی بڑی ترمیم سے آئرلینڈ کے آئین میں بھی ترمیم ضروری ہوگی جس کے لئے ریفرنڈم ضروری ہوگا۔ یاد رہے کہ آئرلینڈ میں ریفارم ٹریٹی کے خلاف ڈیکلان گینلے کی پارٹی نے اہم کردار ادا کیا تھا، مگر اس مرتبہ کے ریفرنڈم میں لوگ شاید ہی اس خیال سے متفق ہوں۔

ریفارم ٹریٹی اور پہلے یورپی آئین میں کوئی اہم فرق نہیں۔ بہرحال اس کو منظوری سے امور خارجہ کا شعبہ اور کمیشن پر یزیڈنٹ میں اختیار مرکوز ہوجائیں گے۔ بہت سے یورپی لیڈر اس بات پر متفق ہیں کہ ریفارم ٹریٹی کی منظوری کے بعد بھی پہلے آئین کی روح برقرار رہے گی۔ ریفارم ٹریٹی کی کچھ شقیں درج ہیں: حالیہ ۶ ماہ کی صدارت کی بجائے اب یورپی کونسل کی صدارت کا عرصہ اڑھائی سال ہوگا۔ بین الاقوامی سطح پر یونین کے موثر کردار کے لئے موجودہ امور خارجہ سپریمو جیویر سولانا اور امور خارجہ کے کمشنر بنیتا فیرو والڈنر کے عہدوں کو یکجا کردیا گیا۔ ۲۰۱۴ء سے یورپی کمیشن میں کمشنرز کی تعداد کم ہوجائے گی۔ ۱۷-۲۰۱۴ء کے درمیان یورپی یونین کی کل آبادی کے ۶۵ فیصد میں ممبر ریاستوں کی ۵۵ فیصد ڈبل اکثریت کی اہلیت کی جگہ ووٹوں کے تناسب کی ازسر نو تقسیم۔ اس نظام کو ''کوالیفائیڈ میجارٹی'' کا نام دیا گیا ہے۔ انصاف اور داخلہ امور میں یورپی کمیشن یورپی پارلیمنٹ اور یورپی کورٹ آف جسٹس کے نئے اختیارات۔ متعدد شعبوں میں قومی ووٹ کا اخراج۔

ریفارم ٹریٹی کے نفاذ پر مذکورہ تبدیلیاں عمل میں آئیں گی۔ جن ممالک نے ابھی تک ریفارم ٹریٹی کی تصدیق نہیں کی وہ خصوصی طور پر آخری شق ''قومی ووٹ کے اخراج'' پر معترض ہیں۔ ان کے خیال میں اس شق کے اطلاق سے یونین کے اندر ان کی حیثیت متاثر ہوگی، نیز انہیں عوامی دباؤ کا بھی سامنا بھی ہوگا۔ یونین کی تاریخ کی روشنی میں یہی امید کی جاسکتی ہے کہ ممبر ممالک اس پیچیدہ صورتحال کا کوئی قابل قبول حل تلاش کرلیں گے۔ اگر یورپ کو ایک متفقہ آئین مل جاتا ہے تو یہ بلاشبہ یورپی یونین کی تاریخ کا سب سے بڑا کارنامہ ہوگا۔ ۲۷ ملکوں کو فقط ایک ہی آئین کے تحت چلانا ایک خواب لگتا تھا لیکن یورپی عوام اور یورپی لیڈروں نے اس خواب کو حقیقت میں بدل دیا ہے۔ کچھ ممالک ابھی بھی اپنے تحفظات کا اظہار کررہے ہیں لیکن میرے خیال میں یہ تحفظات زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہیں گے کیونکہ یہ ممالک جو معاشی طور پر کچھ زیادہ خوشحال نہیں ہیں، یونین کے اکثریتی فیصلے کے خلاف جانے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ ان کی بہتری اس میں ہے کہ وہ موجوں کے مخالف سمت تیرنے کی کوشش نہ کریں۔ اس صورت حال کا ادراک ان ممالک اور لیڈروں کو بھی ہے، شاید اسی وجہ سے اب ان کے رویوں میں وہ پہلے جیسی سختی اور کرختگی نہیں رہی۔ ||

کرناٹک مسلم متحدہ محاذ

بنگلور- جنتادل سیکولر کے قومی صدر ایچ ڈی دیوے گوڑا نے پارٹی کے ایک اعلیٰ سطحی وفد کے ساتھ یہاں ریاستی سطح کی ۲۵ مسلم جماعتوں وتنظیموں کے وفاق کرناٹک مسلم متحدہ محاذ کے ذمہ داروں سے ملاقات کی اور یہ پیشکش کی مسلم قائدین جن امور کی نشاندہی کریں گے وہ پارٹی کے انتخابی منشور میں شامل کریں گے۔ دیگر قومی وریاستی امور اور مسلمانوں کے مسائل پر بھی گفتگو ہوئی۔ محاذ کے جوائنٹ سکریٹری نے ایک پریس ریلیز میں کہا ہے کہ دیگر سیاسی پارٹیوں سے گفتگو کے بعد ہی پالیسی بنائی جائے گی۔

عام انتخابات سے قبل ریاستوں کا سیاسی وانتخابی منظرنامہ (۲)

(۴) راجستھان

لوک سبھا کی نشستیں: ۲۵ — اسمبلی کی نشستیں: ۲۰۰

پارٹیاں	پارلیمانی الیکشن ۲۰۰۴ء	اسمبلی الیکشن ۲۰۰۸ء
کانگریس	۴	۹۶
بی جے پی	۲۱	۷۸
دیگر	صفر	۲۶

نوٹ: نئی حد بندی سے ریاست کے پارلیمانی واسمبلی حلقے بڑے پیمانے پر متاثر تو نہیں ہوئے البتہ کچھ پرانے حلقے ختم کردیئے گئے اور ان کی جگہ نئے حلقے بنائے گئے ہیں۔ محفوظ حلقوں میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ مقابلہ دورخی کانگریس اور بی جے پی کے درمیان ہوگا۔

(۵) اتراکھنڈ

لوک سبھا کی نشستیں: ۵ — اسمبلی کی نشستیں: ۷۰

پارٹیاں	پارلیمانی الیکشن ۲۰۰۴ء	اسمبلی الیکشن ۲۰۰۷ء
بی جے پی	۲	۳۶
کانگریس	۲	۲۰
بہوجن سماج پارٹی	صفر	۸
سماج وادی پارٹی	صفر	۳
دیگر	صفر	۳

نوٹ: ریاست کی پانچ پارلیمانی نشستوں میں سے دو محفوظ ہیں، عموماً کانگریس اور بی جے پی کے درمیان سیدھا مقابلہ ہوتا ہے، ایک دو حلقوں میں سہ رخی مقابلہ ہوسکتا ہے کیونکہ نئی حد بندی کے بعد پارلیمانی اور اسمبلی حلقوں کی تصویر کافی بدلی ہوئی ہے۔

(۶) چھتیس گڑھ

لوک سبھا کی نشستیں: ۱۱ — اسمبلی کی نشستیں: ۹۰

پارٹیاں	پارلیمانی الیکشن ۲۰۰۴ء	اسمبلی الیکشن ۲۰۰۸ء
بی جے پی	۹	۵۰
کانگریس	۲	۳۸
بہوجن سماج پارٹی	صفر	۲

نوٹ: نئی حد بندی سے لوک سبھا کی صرف تین نشستیں متاثر ہوئی ہیں۔ بیشتر حلقوں میں مقابلہ دورخی کانگریس اور بی جے پی کے درمیان ہوگا۔ بعض حلقوں کے کے نتائج کو بہوجن سماج پارٹی متاثر کرسکتی ہے۔

عالمی سطح پر تشدد کے اسباب کی گہرائیوں میں اتریئے

ڈاکٹر سید عبدالباری

اس وقت اور شاید اس سے پہلے تاریخ کے مختلف ادوار میں تشدد و بہیمیت اور انسانوں کا انسانوں پر قہر و جبر اور قتل وغارتگری ایک سنگین مسئلہ رہا ہے اور ہر دور میں اس کے اسباب کا تجزیہ اور اس کے علاج کی کوششیں مختلف انداز سے کی گئیں مگر شاید ایسا کبھی نہ ہوا ہو کہ جبر وتشدد کا آتش وفشاں خود مظلوم بن کر کھڑا ہو اور جنہیں وہ پامال کر رہا ہے خود ان کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کا مطالبہ کرے۔ اس وقت تشدد اور دہشت گردی ایک لایعنی اصطلاح بن کر رہ گئی ہے اور اسے ہر قوی بازو رکھنے والا آسانی سے کمزوروں پر چسپاں کر دیتا ہے اور عالمی رائے عامہ کو اپنے اس اندھیر کے حق میں ہموار بھی کر لیتا ہے۔ اس وقت جمہوریت آزادی اور انسانی حقوق کا اس قدر شور ہے کہ کان پڑے آواز سنائی نہیں دیتی۔ لیکن لطف یہ ہے کہ دنیا میں جمہوریت کا خود کو پاسبان کہنے والے دھڑلے سے دوسروں کی آزادی رائے کو سلب کر رہے ہیں۔ افریقہ وایشیا کے ممالک میں کٹھ پتلی حکومتیں قائم کرانا اور عوام کے بنیادی حقوق کو جدیدیت وماڈرنزم کے نام پر ہڑپ کرنا مغربی استعماری طاقتوں کا بڑا پسندیدہ مشغلہ بن چکا ہے۔

اگرچہ اس کے نہایت تلخ گھونٹ انہیں پینے پڑ رہے ہیں۔ ان کی فوجیں زمین پر لڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور ہوائی بمباری اور ڈرون کے ذریعہ آبادیوں کو تہس نہس کرنا ان کا افغانستان میں پسندیدہ مشغلہ بن گیا ہے جس کے ذریعہ وہ ناٹو کی فوجوں کی مسلسل زمینی شکست کا انتقام لیتے رہتے ہیں۔ جس طرح اسرائیل نے غازہ پٹی پر بمباری کے ذریعہ عورتوں بچوں بوڑھوں کو ہلاک کیا ٹھیک وہی کام وادی سوات وسرحدیں امریکی جنگی جہاز کر رہے ہیں۔ بقول رابرٹ توسکانو اور برامن جہان بیگ لو یہ مسئلہ اس طرح قطعاً حل نہیں ہو سکے گا جب تک کہ اس کے اسباب اس کے آغاز اور اس کے دوررس نتائج کو اچھی طرح سمجھ نہ لیا جائے۔ اس معاملہ میں ہماری کوتاہی وناسمجھی انسانی تہذیب کو ملیا میٹ کردے گی مشکل یہ ہے کہ جدیدیت کا طلسم آفاق گیر ہوتا جارہا ہے۔ اور اس کی وجہ سے انسانی تہذیب کی مستحکم بنیادیں ڈانواڈول ہورہی ہیں اور عدم استحکام وغیر یقینی صورت حال کی طرف اسے ڈھکیل رہی ہیں۔ (تشدد کے آگے، بحوالہ فرنٹ لائین ۳؍فروری ۲۰۰۹ء) ہماری اخلاقیات کی مسلمہ قدریں بکھر رہی ہیں اور طاقت وجبروت اصل حقیقت اور محور انسان ہوگئی ہے۔ طاقت کا استعمال انسانوں کی فلاح کے لئے نہیں اس کی شکست وریخت کے لئے ہو رہا ہے۔ افسوس ہے کہ عام انسانوں کی فلاح کو مدنظر رکھ کر طاقت کو کام میں نہیں لایا جارہا ہے۔ بدقسمتی سے انسانوں کو ضوابط کا پابند بنانے کے ادارے یعنی حکومتوں کی بنیادیں کھوکھلی ہوگئی ہیں۔ اب ان ضوابط کی تشکیل کرنے والی اقدار ہی پر ایمان باقی نہیں رہا۔ چنانچہ بڑی آسانی سے ہر خیر کو شر اور شر کو خیر میں بدل دیا جاتا ہے۔ اقتدار کی قوت کو عام انسانوں کی بھلائی کے لئے استعمال کرنے کا شعور رخصت ہوتا جارہا ہے۔ ہر چیز کو ناپنے کے لئے نئے پیمانے وضع کر لئے گئے ہیں۔ چنانچہ طاقتور کے جبر وتشدد پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں البتہ جب کمزور اور مجبور غصہ میں آکر صدائے احتجاج بلند کرتا ہے یا تشدد پر آمادہ ہوتا ہے تو دنیا کے طاقتور چودھری بنی نوع انسان کی حفاظت کا بیڑا اٹھانے اور کمزوروں کے احتجاج پر ان کو سزا دینے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔

بقول رابرٹ ٹوسکینو برطانیہ، فرانس اور امریکہ نے ۱۹۱۹ء سے ۲۰۰۹ء تک مسلسل عربوں کو مبتلائے اذیت رکھا اگر ان کے کچھ نوجوان مغرب کے خلاف سینہ سپر ہوتے ہیں تو حیرت کیوں ہے؟ کچھ لوگ ثقافت اور مذہب کے اختلافات کو تشدد اور ٹکراؤ کا سبب قرار دیتے ہیں، یہ نہایت فضول اور بے بنیاد تصور ہے جسے امریکہ کے ایک مصنف نے تہذیبوں کے تصادم کے موضوع پر کتاب لکھ کر ذہنوں میں بٹھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ حقیقت ضرور ہے کہ جو معاشرے مذہبی اقدار کو بالائے طاق رکھ کر اندھی مادہ پرستی کی تائید کرتے ہیں وہ سارا الزام مذہب اور اس پر مبنی تہذیبوں کے سر منڈھنے پر آمادہ رہے ہیں۔ عام طور پر مذاہب قوت برداشت اور تحمل کو فروغ دیتے رہے ہیں اور پروفیسر رابرٹ پیپ کے مطابق جو لوگ خودکش بمبار بنتے ہیں ان میں زیادہ تر محروم طبقات اور جبر واکراہ سے عاجز افراد شامل رہے ہیں۔ (Dying to win R.Pape) دراصل افراد واقوام کے مدت دراز سے غصہ وغضب کے سڑتے گلتے ناسور اس منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس طرح کی دیوانہ وار قربانیاں ممالک واقوام کے اندر ڈکٹیٹرشپ کے خاتمہ اور جمہوریت وآزادی کی تازہ ہواؤں کی آمد کا ذریعہ بنی ہیں۔ اگرچہ جمہوریت وآزادی پر اعتبار واعتماد ختم ہورہا ہے اس لئے جو طاقتیں اس کو نام نہاد علمبردار تسلیم کی گئی ہیں وہیں اس وقت سب سے کمزور قوموں پر مظالم کا پہاڑ توڑتی رہی ہیں۔

تشدد وٹکراؤ کا سبب مغرب یہ قرار دیتا ہے کہ مشرق بالخصوص مسلم ممالک قدامت کے شیدا اور جدیدیت کے دشمن ہیں۔ قدامت انہیں تنگ نظری مذہبی عصبیت اور ہر نئی چیز سے تنفر پر اُبھارتی ہے۔ یہی نفرت شدت اختیار کر کے تصادم کی منزل تک لے جاتی ہے یہ ماڈرنزم عہد حاضر میں ایک فتنہ بن گیا ہے جو اٹھارہویں صدی میں یورپ میں روایت پسندی اور کلیسائی استبداد کے ردعمل کے طور پر پیدا ہوا۔ ماڈرن انسان خود کو انسان پرست روشن خیال اور روایت وکسی اتھارٹی کا عقل وسائنس کے حق میں انکار کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ انکار عملاً مذہب اور اس کے عقائد اقدار اور تعلیمات سے انکار کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور فرد کو خود مختار اور سچائی کا واحد سرچشمہ تسلیم کرتا ہے۔ اس تصور نے الحاد اور تشکیک کو فروغ دیا اور آزادی مطلق کا علمبردار بن کر سامنے آیا۔ لطف یہ ہے کہ حقوق انسانی اور آزادی کامل کے حامل لوگ مذہبی لوگوں کو اپنے مذہب وثقافت اور طرز حیات کے مطابق بھی رہنے دینا نہیں چاہتے اس لئے کہ وہ ماڈرنزم کے خلاف ہے۔ مثلاً سوات یا افغانستان میں مگر عورتوں کو رقص، عریانی وبے حیائی کے دیگر اطوار سے انکار ہے اور اسے وہاں شریعت کے خلاف تصور کیا جارہا ہے تو اسے بھی فرد کی آزادی میں خلل اور قدامت ودقیانوسیت قرار دیا جاتا ہے اور جدید تہذیب کے لئے بہت بڑا خطرہ سمجھا جارہا ہے۔ مغرب کی جدیدیت جس کے سائے میں استعمار، دوسرے ممالک کے وسائل پر قبضہ اور سیاسی غلبہ کے مکروہ عزائم پوشیدہ دنیا کے لئے حقیقتاً ایک خطرہ ہے اور اسی کی حیوانیت کی وجہ سے مختلف ممالک کے کچھ لوگوں میں انتقام کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ اگر القاعدہ وطالبان مسٹر اے جی نورانی کے الفاظ میں شدت کے ساتھ مغرب کے ماڈرنزم کو رد کر رہے ہیں تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ بہت سے مسلم ممالک نے مغرب کو اپنا تہذیبی پیشوا بنایا اور اس کے تلخ ثمرات سے بدمزا ہوئے۔ ترکی اب اسرائیل کو سفاک قاتل کہنے پر مجبور ہے جو پہلے مغرب کا پاپوش بردار بن گیا تھا۔ مشرق خود کو جدید بنانے کی اپنی اقدار رکھتا ہے جو اسے ماضی سے رشتے منقطع کئے بغیر مغرب کی طرح مذہب کو پامال کئے بغیر جدید تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بدقسمتی سے اس وقت دنیائے اسلام میں خود کچھ لوگ اسلامی تہذیب کو علامتی طور پر برقرار رکھ کر جدید بننے اور مغرب کے جدیدیت کے فلسفے میں خود کو رنگنے کے لئے بے چین ہیں۔ دوسری طرف ایک حلقہ قدامت کو جیوں کا تیوں برقرار رکھنے اور اس کے مخالفین سے ٹکرانے پر آمادہ ہے۔ شاید اس کے درمیان چلنے والوں کی ایک معقول تعداد ہے جو اجتہاد اور روشن خیالی کی اسلامی تعلیم کے مطابق مشرق ومغرب دونوں کو منور کرنے میں کامیاب ہوگا اور اس کی متوازن روش کو غلبہ حاصل ہوگا اس لئے تصادم کے بجائے مفاہمت اور ان کی پوری عالم انسانیت کو ضرورت ہے۔ ••

کامیاب زندگی کا نسخہ

حاجی عبدالوحید، بھوپال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو شخص حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا۔ اور نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔'' (البقرہ:۲۷۹)

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں کامیاب زندگی گزارے۔ کامیاب زندگی کے لئے صحیح ہدایت اور حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان بغیر ہدایت اور حکمت کے دنیا میں اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی جس پر چاہتا ہے اپنی اس ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں یہ عقلمند لوگ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر جو بہترین بات ہو اس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں۔'' (الزمر:۱۸)

جن لوگوں نے عقلوں سے فائدہ اٹھایا وہی اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں کو سنتے ہیں وہی کامیاب زندگی کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جن لوگوں کو حکمت ملی تھی اُن میں سے ایک انسان حضرت لقمان علیہ السلام بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے یقیناً لقمان کو حکمت عطا کی تا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کریں ہر شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے اور جو بھی ناشکری کرے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔'' (لقمان:۱۲)

حضرت لقمان اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکمت یعنی عقل وفہم اور دینی بصیرت میں ممتاز مقام عطا فرمایا تھا۔ ان سے کسی نے پوچھا تمہیں یہ فہم و شعور کس طرح حاصل ہوا؟ انہوں نے فرمایا۔ راست بازی، امانت کے اختیار کرنے اور بے فائدہ باتوں سے اجتناب اور خاموشی کی وجہ سے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان علیہ السلام پر حکمت کے دروازے کھول دیئے۔ انہیں حکم دیا گیا تم شکر گزار بنو۔ اور اللہ تعالیٰ کا احسان یاد کرو۔ دانا شخص یہ خوب جانتا ہے کہ ہمارے شکر سے اللہ تعالیٰ کو کچھ نہیں ملتا۔ اس میں صرف ہمارا ہی بھلا ہوتا ہے۔ لقمان علیہ السلام نے کامیاب زندگی گزارنے کے لئے اپنے بیٹے کو چھ بڑی نصیحتیں کی تھیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور جب کہ لقمان نے وعظ کہتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا بیشک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔'' (لقمان:۱۳) سلام میں سب سے اہم چیز توحید ہے یعنی صرف ایک ہی اللہ کی عبادت کرنا اس میں کسی کو شریک نہ کرنا اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسے قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف کر دیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے۔ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے، کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے، جس کا تجھے علم نہ ہو تو۔ تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس راستہ پر چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہے۔ تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں خبردار کردوں گا۔'' (لقمان:۱۵-۱۴)

سورۃ لقمان کی یہ آیات ہمیں نصیحت کرتی ہیں کہ ہم اپنے والدین کا احترام کریں اور ان کی پوری اطاعت کریں۔ ہاں اگر وہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہوں تو ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔ (شرک میں)

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ (بھی) خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمان میں، یا زمین میں ہو اسے اللہ تعالیٰ ضرور لائے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبردار ہے'' (لقمان:۱۶) یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ حضور محمدؐ نے فرمایا ''اگر تم میں سے کوئی شخص سوراخ کے پتھر میں بھی عمل کرے گا، جس کا کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر فرما دے گا۔ چاہے وہ کیسا ہی عمل ہو۔'' (مسند احمد)

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم رکھنا، اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تم پر آجائے صبر کرنا (یقین مان) یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔'' (لقمان:۱۷) نماز قائم رکھنا، اچھے کام کرنا، برے کاموں سے رُکنا اور جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنا یہ اہم ترین عبادات اور امور خیر کی بنیاد ہیں۔ ان کی پابندی کر کے بندہ انتہائی بلندی تک پہنچ جاتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھیلا اور زمین پر اترا کر نہ چل، کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔'' (لقمان:۱۸) انسان تکبر نہ کرے کہ دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھے، مال ودولت یا جاہ ومنصب یا قوت وطاقت کی وجہ سے فخر وغرور کرے یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ بڑائی کا اظہار نہ کرے کہ بڑائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ جو تمام اختیارات کا مالک اور تمام خوبیوں کا منبع ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر، اور اپنی آواز پست کر، یقیناً آوازوں میں سب سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے۔'' (لقمان:۱۹)

حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنے رحم وکرم، لطف نظر سے نہیں دیکھتے۔ جو غرور وگھمنڈ کی وجہ سے اپنے کپڑے کو زمین تک لٹکا کر پہنتا ہو۔ (مسلم) ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اللہ کے بندے زمین پر وقار اور سکونت کے ساتھ چلتے ہیں۔ (فرقان ۶۳)

چیخ کر یا چلا کر بات نہ کرنا چاہئے اور اونچی آواز میں بات کرنا ناپسندیدہ ہے اسی لئے گدھے کی آواز سب سے بدتر ہے اور کریہہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو۔'' (بخاری)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے۔'' (اسراء ۳۷)

حضرت لقمان علیہ السلام کی یہ نصیحتیں صرف ان کے بیٹے کے لئے نہیں بلکہ یہ نصیحتیں سب کے لئے بیحد مفید اور کارآمد ہیں۔ ان ہدایات پر عمل کر کے ہر کوئی کامیاب زندگی کی طرف گامزن ہو سکتا ہے۔ ••

معتصم کے زمانے کا مرد میدان رجب طیب اُردوغان

شعبان عبدالرحمٰن ترجمہ: مسعود الرحمٰن خان ندوی

''میرے خلاف قید کا فیصلہ کرپشن یا خیانت یا چوری کے الزام میں صادر نہیں ہوا ہے بلکہ اس لئے ہوا ہے کہ میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ کسی انسان کو قید کرنا ممکن ہے، لیکن کسی کے بس میں یہ نہیں ہے کہ اس کے افکار وخیالات کو قید کردے۔ کسی کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ میری سیاسی زندگی ختم کردے۔ جب میں جیل سے باہر آؤں گا تو میں زیادہ تجربہ کار، زیادہ طاقتور اور زیادہ پختہ ہو چکا ہوں گا۔'' یہ اس وقت کے الفاظ ہیں جب ترکی کے موجودہ وزیراعظم رجب طیب اردوغان اکتوبر ۱۹۹۸ء میں تین ماہ جیل کے کٹہرے میں گزارنے کے لئے جارہے تھے، ان کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے ایک تقریر میں چند اشعار پڑھے تھے جن کے بالواسطہ اسلامی معانی ہوتے تھے، اور یہ بات ترکی کے ظالم قانون میں قابل سزا جرم تھی، اس وقت دس ملین آبادی کے شہر استنبول کے صدر (Mayor) تھے، اور انہوں نے یکتائے روزگار تہذیبی ترقی پیدا کردی تھی، جس کی وجہ سے اس وقت ان کو لوگ ''ترکی قوم کے محبوب'' (لیڈر) کے لقب سے پکارتے تھے، دس برس قبل بولے ہوئے مذکورہ الفاظ پر میں جب بھی غور کرتا ہوں تو ان کے ہر لفظ میں سچائی کی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔ واقعی مخالفین نے ان کے جسم کو قید کیا تھا، لیکن ان کے افکار وخیالات کو قید نہیں کرسکے، وہ جیل سے باہر آئے تو حقیقتاً زیادہ تجربہ، زیادہ طاقت اور زیادہ پختگی کے حامل تھے، غزہ کے خلاف مجرمانہ صہیونی ہولوکاسٹ (جہنم کدہ) کے دوران اور اس کے بعد بھی ان کے مواقف سے ان معانی کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ غزہ ہولوکاسٹ کے دوران ساری دنیا نے ان کے مواقف واقدامات کا مشاہدہ کیا اور ان کے جرأتمندانہ سچے کلمات کو غور سے سنا جو اندھی گونگی دنیا کے سامنے غیر متوقع طور پر اچانک آنے کی وجہ سے صہیونیوں کے ہوش اڑا دینے کے لئے قسام کے راکٹوں کی طرح گرے، ان الفاظ میں سے دنیا کے یہودیوں کو یاد دلانے کے لئے ان کا یہ قول بھی تھا: ''جب تمہارے اجداد یورپ کے ظلم وستم اور اخراج (جلاوطنی) سے دوچار ہوئے تو میرے آباء واجداد ان کے ساتھ (شانہ بہ شانہ) کھڑے ہوئے اور ہمارے سرزمین (ترکی) میں ان کو پناہ گاہ فراہم کی۔'' انہوں نے یہودیوں کو متنبہ کیا: ''جن شیر خوار بچوں اور بے قصور عورتوں کو اسرائیل نے قتل کیا ہے وہ یقیناً انہی کے خون ناحق میں ڈوب جائے گا۔'' اور انہوں نے اسرائیلی وزیر دفاع اور وزیر خارجہ کو مخاطب کر کے وارننگ دی: ''تاریخ تم دونوں کا یقیناً محاسبہ کرے گی، اور تمہارے افعال کو انسانیت کی تاریخ میں سیاہ دھبہ کے طور پر یاد رکھے گا۔

پھر ۲۹؍جنوری ۲۰۰۹ء بروز جمعرات ڈیوس کانفرنس میں دنیا کے نمائندوں کے سامنے ان کا آخری موقف اس وقت سامنے آیا جب صہیونی وجود کے صدر شمعون پیریز اور امریکی صدر کانفرنس سے دوبدو ان کی تیز گفتگو ہوئی جو ان کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ پیریز کو پہلے بولنے کا موقع ملا، وہ پچیس منٹ تک غزہ کے بچوں اور عورتوں کے خلاف ان کی فوج کے ہولوکاسٹ کا دفاع کرتے اور جو کچھ ہوا اس کا الزام حماس کے سر منڈھتے رہے اور کہا ''راکٹ حملوں سے اسرائیل کے باشندوں کی حفاظت مطلوب امر تھا۔'' اس پر حاضرین نے پیریز کو داد دیتے ہوئے تالیاں بجائیں۔ پیریز کی تقریر کے بعد اُردوغان کی فرمائش پر جب ان کی باری آئی تو پہلے انہوں نے حاضرین کی خبر لیتے ہوئے پرزور لہجہ میں کہا:

''تم سب کے لئے عار کی بات ہے کہ اس شخص کی تقریر پر تالیاں بجائیں جس کی فوج کے ہاتھوں غزہ میں ہزاروں بچے اور عورتیں قتل کی گئی ہیں۔''

پیریز نے دوران تقریر مداخلت کرتے ہوئے اور اُردوغان کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے زور سے کہا: ''تمہارا ردعمل کیا ہوتا اگر ہر رات استنبول پر راکٹ گر رہے ہوتے؟''

اردوغان نے بھی اس طاقت سے جواب دیا ''تمہارے آواز بلند کرنے کی وجہ احساس گناہ کی نفسیات ہے! توراۃ کی وصیت ششم کہتی ہے: قتل نہ کرو! لیکن جب قتل کی نوبت آئی ہے تو تم خوب جانتے ہو کہ کیسے قتل کرنا ہے! مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم نے نہر کے کنارے بچوں کو کس سفاکی سے قتل کیا تھا''۔

جب سچ باتیں لگاتار گولیوں کی طرح پیریز کے کانوں میں گھسنے لگیں اور حاضرین بھی غیر متوقع اچانک حق باتوں سے جزبز ہونے لگے تو صدر جلسہ نے اُردوغان کو بولنے سے روکنا چاہا۔ پہلے تو انہوں نے ان کی مداخلت سختی سے رد کردی، پھر جب جلسہ اصرار کرتے رہے تو وہ رُکے اور اپنے کاغذ سمیٹے اور جلسہ سے باہر جاتے ہوئے کہا:

''میرے لئے یہ کانفرنس ختم ہو چکی، میرا خیال ہے کہ اب میں دوبارہ ڈیووس نہیں آؤں گا۔ تم نے مجھے بولنے نہیں دیا، پیری پچیس منٹ تک بولتے رہے، مجھے اس کا آدھا وقت نہیں ملا۔''

اس کے بعد وہ اپنے ملک واپس جانے کے لئے نکلے، انہوں نے صرف اس جلسہ کا ہی نہیں بلکہ کانفرنس کا بائیکاٹ کردیا، پھر جب پیریز نے رابطہ قائم کر کے یہ امید ظاہر کی کہ جو کچھ ہوا اس کا اثر دونوں ممالک کے تعلقات پر نہیں پڑے گا تو اُردوغان نے مثبت جواب نہیں دیا۔ (حیرت کی بات ہے کہ عرب لیگ کے جنرل سکریٹری عمرو موسی نے اگرچہ اسٹیج پر اُردوغان کو مبارکباد دیتے ہوئے پرتپاک مصافحہ کیا، مگر بے غیرتی سے پھر وہیں جا کر بیٹھ گئے، پیریز کی غلط بیانی کی تردید کی نہ صہیونی حملہ کی انسانیت سوز حرکتوں کا ذکر کیا، اُردوغان کے ساتھ ناانصافی پر احتجاج تو وہ کیا کرتے! ترکی وایران تو عجم درانداز ہیں جو عرب اجارہ داروں کی ''امن کی سودے بازی'' میں آڑے آرہے ہیں! مترجم)

غزہ پر حملہ کی ابتداء ڈیووس کانفرنس تک اُردوغان کے مواقف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص عالم عرب واسلام میں اپنے دیگر ہم منصبوں کی طرح ذلت وتوہین اور خود سپردگی کے راستہ سے الگ راستہ پر رواں ہے، اور ایسا یکتا منفرد ماحول بنانا چاہتا ہے جس سے بے حساب رسوا کن مواقف کی وجہ سے شکست خوردہ نفسیات میں زندگی کی امنگ انگڑائی لے، اور مفقود روح جسم مسلمان میں واپس! یقیناً یہ موجودہ حالات میں نامانوس ہونے کی وجہ سے یکتا ومنفرد معلوم ہوتا ہے، اس لئے وہ معتصم کے زمانے کا جرأتمندانہ برحق منظر معلوم ہوتا ہے۔

(ہفت روزہ المجتمع، کویت)

مختصر خبروں میں جماعت کے پارلیمانی گروہ کے سامنے اردوغان کا یہ بیان بھی قابل توجہ ہے: ''اگر متعلقہ فریق چاہیں تو ہم از سر نو وساطت کے لئے تیار ہیں، مگر یہ دور ہم کو حق بات کہنے سے نہیں روکے گا۔ میں ڈپلومیٹ نہیں بلکہ سیاستداں ہوں، ڈپلومیٹس نرم پرسکون لہجہ سے اپنے ملک ومفاد کو نقصان پہنچا دیتے ہیں، مگر میں ایسی ڈپلومیسی نہیں چاہتا۔'' انہوں نے ڈیووس کانفرنس میں اپنے موقف کے بارے میں وضاحت کی: میرا موقف ترک ڈپلومیسی کے رُخ سے ہم آہنگ تھا، میں ترک ڈپلومیسی کے خلاف کوئی کام نہیں کرسکتا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کسی خدا کو یا جلسہ کے ناظم کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ بات سے روکنے کے لئے وزیراعظم کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھے'' میں نے ڈیووس میں جلسہ کے ناظم کے ساتھ ڈپلومیسی سے کام لیا، اگر ڈپلومیسی نہ ہوتی تو میرا ردعمل دیگر ہوتا۔'' ••

ایک خاکہ ذہن میں تیار کرنا ہے مجھے

محمد سرور علی افسر

انسانی فطرت کا یہ خاصہ رہا ہے کہ وہ ایسے ہی خاکوں کو اپنے ذہن کے دریچوں میں محفوظ رکھنا چاہتا ہے جو سیرت وکردار کے اعتبار سے صالح، پاکیزہ اور قابل تقلید ہوں۔ چونکہ یہ خاکے زندگی کے نقش ونگار کو سنوارنے کے علاوہ انسانی رہنمائی اور رہبری کا موجب سمجھے جاتے ہیں۔ اس طرح بعض ایسے بھی خاکے ہوتے ہیں جو انسانی زندگی کے لئے قابل مذمت اور جسم وجان کے لئے ناسور کا درجہ رکھتے ہیں۔ اچھے اور نیک خاکے خصوصیت کے ساتھ صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتے ہوئے اُن کو غلط راہوں پر گامزن ہونے سے بچاتے ہیں۔ تب ہی تو ہر نیک اور پاک طینت خاکے صحت مند خطوط پر انسانی زندگی کو رواں دواں کرتے ہوئے کامیابی وکامرانی کی منزل سے ہمکنار کروانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اس طرح ایسے ہی خاکوں کو انسان پسند کرتا ہے جو زندگی کے ہر میدان میں اس کی رہنمائی کر کے اس کو سماج میں بلند وبالا مقام دلانے میں ممد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔

معاشرتی زندگی میں ہمیں ایسے کئی خاکوں سے سابقہ پڑتا ہے جو ظاہری طور پر اچھے اور قابل تقلید نظر آتے ہیں۔ مگر عمیق نظروں سے ان خاکوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری طور پر تو یہ بڑے دلکش حسین وجمیل اور دلفریب نظر آتے ہیں مگر باطنی لحاظ سے بڑے مکروہ دلخراش اور ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں۔ انسانی خدمت کا جذبہ ان کے اندر نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اس لئے کہ انہیں صرف مفاد پرستی، خود غرضی، کینہ کپٹ، ایذا رسانی، دشمنی اور عداوت سے واسطہ رہتا ہے۔ دیکھنے میں تو آدمیت کا مکھوٹا ان کے چہرے پر سجا ہوا ہوتا ہے لیکن اندرون شیطانی صفات سے معمور رہتا ہے۔ اس قسم کے خاکے دلوں میں نفرت کے بیج بو کر اتحاد واتفاق کے جذبات کو پارہ پارہ کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ یہ خاکے انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ اور سوہان روح بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس قسم کے خاکوں کی جھلک ہمیں چنگیز خاں، ہلاکو خاں وغیرہ میں نظر آتی ہے۔ ذرا پیچھے پلٹ کر دیکھیں تو ابولہب، ابوجہل، عتبہ اور شیبہ وغیرہ میں جو سرکشی، نافرمانی، خدا بیزاری اور آخرت فراموشی میں یکتائے روزگار بنے ہوئے تھے۔ احسان فراموشی، دھوکا دہی، مکروفریب او رمکاری میں ہندوستان میں بنگال کے میر جعفر اور میسور کے میر صادق جنہوں نے اپنے آقاؤں کے ساتھ نمک حرامی کر کے سازشی ذہن کی حامل قوم انگریزوں کا ساتھ دیا لیکن بعدازاں وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ تاریخ میں ان کا نام ناپسندیدہ خاکوں کی حیثیت سے لیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ خاکے محض اپنی ''انا'' کی تسکین، فانی دنیا کی عارضی چمک دمک میں گم ہو کر رہ گئے ہیں انسانیت ان خاکوں کو اپنانے سے گریز کرتی ہے اس لئے کہ انسانی فلاح وبہبود میں ان کا کوئی اہم رول نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف ایسے خاکے جو انسانی زندگی میں برگ وبار لانے کا سبب بنتے ہیں۔ معاشرے اور سماج میں اپنے کردار وعمل، گفت وشنید، رہن سہن، عادات واطوار، طور طریقوں، تہذیب وتمدن، اخلاق وآداب کے ذریعے آسمان دنیا پر سیرت وکردار کے ان مٹ نقوش چھوڑنے کی وجہ سے قابل تقلید بن گئے ہیں اور اپنی ضوفشانی کا جلوہ دکھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ''اختیار تمیزی'' کی دولت عطا کر کے اچھے اور برے کو جاننے، پہچاننے اور پرکھنے کی صلاحیت بخشی ہے۔ یہی صلاحیت انسانی شخصیت کو پروقار بنانے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔ دانشوری اور دانائی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

ہر انسان کو احسن تقویم پر پیدا کیا گیا ہے۔ تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں، جبلتوں اور صلاحیتوں سے کماحقہ استفادہ کر کے انسانیت کے لئے مشعل راہ بن جائے۔ اخلاق وآداب سے مرصع انسانی خاکوں سے استفادہ کے بعد ہمارے اندر ایک نئی تابانی ایک نئی تابندگی، درخشانی اور ایک نورانی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جو بنی نوع انسانوں کے لئے رہنمائی اور رہبری کا موجب بن جاتی ہے۔ آیئے ذرا خلفائے راشدین کی مبارک زندگی پر نظر ڈالیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ صداقت اور صدیقیت میں، عمر فاروقؓ حق اور ناحق کی جانچ میں، عثمان غنیؓ شرم وحیا میں، علی کرم اللہ وجہہ بہادری اور بیباکی میں، امام حسینؓ حق کے ہمنواؤں میں، عمر بن عبدالعزیزؒ خلافت اسلامیہ کی بحالی میں، اہم رول انجام دے کر انسانی زندگی کے روشن چراغ بن گئے ہیں۔ اس طرح ان پسندیدہ نفوس نے اپنے کردار وعمل سے ایسا انقلاب برپا کیا جو آنے والی نسلوں کے لئے شمع فروزاں بن گیا۔ انسان ایسے ہی خاکوں کو اپنا کر اپنی زندگی میں باغ وبہار کی کیفیت پیدا کرتے ہوئے صالح اور پُروقار معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے۔ اس طرح ہر ایک فرد بشر کی یہ دلی خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسے خاکے کو اپنے ذہن میں تیار

باقی صفحہ ۵ پر

POSTED ON 5 March 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.) 41/2006-08 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8.

۷ر مارچ ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in , dawatnews@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2000 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

امریکی اور روسی سٹیلائٹس میں خوفناک تصادم

نعیم اختر

گزشتہ ماہ زمین سے اوپر خلا میں ایک ایسا حیران کن واقعہ پیش آیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ ۱۰ر فروری کے اس حادثے میں زمین کے مدار میں چکر لگانے والے دو بڑے مواصلاتی سیارے باہم ٹکرا گئے تھے۔ سائبیریا کی سرزمین سے تقریباً پانچ سو میل اوپر پیش آنے والے اس تصادم کے نتیجے میں دونوں مصنوعی سیاروں کا بہت بڑا ملبہ خلاء میں دور دور تک بکھر گیا جس سے مدار میں موجود بین الاقوامی خلائی اسٹیشن کو بھی خطرہ لاحق ہوگیا ہے جو تصادم والی جگہ سے ۲۷۰ میل نیچے خلاء میں چکر لگا رہا ہے۔ یہ مصنوعی سیارے ۱۹۹۳ء میں چھوڑے گئے اور اب یہ تصادم ایک روسی فوجی مواصلاتی سیارے کوسموس ۲۲۵۱ اور امریکی ریاست میری لینڈ کی ایک کمپنی اریڈیم کی ملکیت میں موجود ۶۶ مواصلاتی سیاروں میں سے ایک کے درمیان ہوا، جو ۱۹۹۷ء میں لانچ کیا گیا تھا۔ امریکی سٹیلائٹ کمپنی اپنے تین لاکھ سے زائد صارفین کو فون سروس فراہم کرتی ہے جن میں امریکہ کا محکمہ دفاع بھی شامل ہے۔ اریڈیم ۳۳ سٹیلائٹ کا وزن ۱۲۳۵ پونڈ جبکہ روسی مواصلاتی سیارہ تقریباً ایک ٹن وزنی تھا۔ ماہرین نے کہا ہے کہ اس وقت یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ اس تصادم سے مواصلاتی سیاروں کے کتنے ٹکڑے خلا میں بکھرے ہوں گے تاہم بڑے ٹکڑے سیکڑوں کی تعداد میں ہوسکتے ہیں جبکہ چھوٹے ذرات کی تعداد ہزاروں میں ہوسکتی ہے۔

اس سے پہلے مدار میں گردش کرنے والی خلائی اشیاء کے باہم تصادم کے چار قابل ذکر واقعات پیش آچکے ہیں۔ لیکن وہ معمولی نوعیت کے تھے جن میں استعمال شدہ راکٹوں کے حصے اور چھوٹے سٹیلائٹس ٹکرا گئے تھے۔ لیکن تازہ ترین واقعہ اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں دو مکمل اور بڑے سٹیلائٹس متصادم ہوئے ہیں۔ ہیوسٹن خلائی مرکز میں کام کرنے والے خلائی ملبے کے ایک ماہر نکولس جانسن نے کہا ہے کہ تصادم کے نئے واقعے سے ہبل خلائی دوربین اور زمین پر نظر رکھنے والے مصنوعی سیاروں کو نقصان پہنچنے کا زیادہ اندیشہ ہے جو بلند تر مدار میں اور موجودہ ملبے کے قریب گردش کر رہے ہیں۔ اس سے اریڈیم کے دیگر سیاروں کو بھی نقصان ہوسکتا ہے، جو ملبے کے بادل کے اندر گردش میں ہیں۔ خلاء میں ملبے کا بدترین بادل اس وقت دیکھا گیا تھا جب ۲۰۰۷ء میں چین نے اپنے ایک ناکارہ سٹیلائٹ کو زمین سے میزائل داغ کر تباہ کردیا تھا اور اس کے ہزاروں ٹکڑے خلاء میں بکھر گئے تھے جس پر عالمی خلائی طاقتوں نے چین کی زبردست سرزنش کی تھی۔ تقریباً پچاس سال پہلے انسانوں نے مختلف امور انجام دینے کے لئے زمین کے گرد مدار میں چکر لگانے والے مصنوعی سیارے یا سٹیلائٹ چھوڑنے شروع کئے تھے۔ روسیوں نے اولین سٹیلائٹ اسپوتنگ۔۱، اکتوبر ۱۹۵۷ء میں چھوڑا تھا جس کے چار ماہ بعد امریکہ نے ایکسپلورر۔ا چھوڑ کر اس کا جواب دیا تھا۔ اس وقت سے اب تک تقریباً ڈھائی ہزار مصنوعی سیارے خلاء میں بھیجے جاچکے ہیں جن میں خلائی دوربین ہبل (Hubble)، بین الاقوامی خلائی اسٹیشن، روسی خلائی اسٹیشن میر اور گلوبل پوزیشننگ سسٹم کے ۲۷ سٹیلائٹس شامل ہیں۔

علاوہ ازیں ایسے سیکڑوں مصنوعی سیارے خلاء میں چکر لگا رہے ہیں جو ہمیں مواصلات، ٹیلیویژن ٹیلی ویژن نشریات اور ریڈیو سگنلز فراہم کرنے کے ساتھ سائنسدانوں کو موسم کی پیشین گوئی کرنے، جاسوسی کرنے، خفیہ مقامات کی تصویر کشی کی سہولت فراہم کرنے کے علاوہ متعدد مختلف خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انسانوں کی بنائی ہوئی یہ چیزیں زمین کے گرد مختلف فاصلوں پر مداروں میں چکر لگا رہی ہیں۔ ان مصنوعی سیاروں میں سے کچھ کا مدار زمین سے انتہائی قریب یعنی ۲۴۰ کلومیٹر اوپر ہے تو کچھ زمین سے بہت دور ۳۶ ہزار دو سو کلومیٹر اوپر چکر لگا رہے ہیں۔ سطح زمین سے ۸۰۰ کلومیٹر اوپر موجود سیاروں کو Low-Earth Orbit سٹیلائٹ قرار دیا جاتا ہے۔ زمینی کشش سے باہر رہنے کے لئے یہ مصنوعی سیارے انتہائی تیز رفتاری سے سفر کرتے ہیں۔ ان سٹیلائٹس کی رفتار ۲۷ ہزار چار سو کلومیٹر فی گھنٹہ یا اس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے زمین کے گرد بیشتر سٹیلائٹس اسی LEO حدود میں پائے جاتے ہیں۔ موسمی حالات سے باخبر کرنے والے اور ٹیلی ویژن نشریات جاری کرنے والے مصنوعی سیارے خلاء میں اس سے کہیں بلند مقام پر رکھے جاتے ہیں۔ اس بلند تر مدار کو Geosynchronous Orbit کہتے ہیں، اس مدار میں موجود سٹیلائٹس کی رفتار زمین کی گردش کے مطابق ہوتی ہے اور وہ ہمہ وقت ایک ہی جگہ پر "منڈلاتے" نظر آتے ہیں۔ زمین کے قریبی مدار میں موجود سٹیلائٹس کی طرح ان سے ٹوٹ کر الگ ہونے والی اشیاء بھی ۲۷ ہزار چار سو کلومیٹر فی گھنٹہ (۱۷ ہزار میل فی گھنٹہ) کی رفتار یا اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ ایک زن کی آواز کے ساتھ گزر رہی ہیں۔ گولیوں کی طرح گزرنے والی ان اشیاء کے مدار مختلف سمتوں میں ہوتے ہیں اور ان کی رفتار بھی الگ ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا باہمی ٹکراؤ ناگزیر ہے۔ اتنی تیز رفتاری سے جسے Hypervelocity کا نام دیا جاتا ہے، ملبے میں شامل انتہائی چھوٹی چیزیں بھی مصنوعی سیاروں، خلائی جہازوں اور خلاء میں چہل قدمی کرنے والے خلاء نوردوں کے لئے انتہائی خطرناک ہوسکتی ہیں اور اگر وہ براہ راست ان سے ٹکرا جائیں تو بہت زیادہ نقصان کا باعث بن سکتی ہیں۔ یہاں تک کہ اگر خلائی جہاز کی بیرونی سطح سے اکھڑنے والا پینٹ کا ایک حقیر ٹکڑا بھی اتنی تیز رفتاری سے خلائی اسٹیشن کی کھڑکی سے جا ٹکرائے تو وہ اس میں پون انچ گہرا سوراخ کرسکتا ہے۔ چونکہ وہاں خلاء میں ہر طرف مختلف جسامت کی چیزیں اڑتی پھر رہی ہیں اس لئے سائنسدانوں میں اس امر پر شدید تشویش پائی جاتی ہے کہ ان کے باہمی تصادم سے ملبے کے مزید ٹکڑے اور ریزے وجود میں آئیں گے۔

ان کا خیال ہے کہ اگر ہم اس وقت یہ فیصلہ کرلیں کہ مزید کوئی خلائی جہاز یا کوئی بھی چیز مدار میں نہیں بھیجیں گے تو ایسی صورت میں بھی خلائی ملبہ ۲۰۵۵ء تک اسی طرح برقرار رہے گا لیکن اس کے بعد حالات مزید بگڑتے چلے جائیں گے کیونکہ پہلے سے جو کاٹھ کباڑ وہاں موجود ہے، وہ بالآخر آپس میں ٹکرائیں گے اور ملبے کے ڈھیر میں مزید اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

ماہرین نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ یہ کام پہلے ہی شروع ہوچکا ہے۔ امریکی اور روسی خلائی سیاروں کے درمیان حالیہ تصادم سے پہلے ۱۷ر جنوری ۲۰۰۵ء کو خلاء میں موجود ایک چینی راکٹ دھماکے سے پھٹ گیا تھا اور اس کے ٹکڑے ۳۱ سال پرانے امریکی راکٹ سے ٹکرا گئے تھے جسے وہاں تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس تصادم کے نتیجے میں ملبے کے چار ٹکڑے بنے تھے لیکن ماہرین کو خدشہ ہے کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان ٹکڑوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ خلائی ملبے کے حوالے سے خلا بازوں کیلئے اچھی خبر یہ ہے کہ خلائی کوڑا کرکٹ کا بڑا حصہ زمین سے ۵۵۰ اور ۶۲۵ میل اوپر کے وسطی حصے میں واقع ہے۔ ۲۵۰ میل اوپر پرواز کر رہا ہے جبکہ خلائی شٹل بھی زمین سے زیادہ سے زیادہ ۳۷۵ میل اوپر تک جاتے ہیں۔ خلائی ملبے میں اضافے کے پیش نظر اب ایسے راکٹ بنانے پر توجہ دی جارہی ہے جو لانچنگ کے دوران کم سے کم ملبہ خود سے الگ کرسکیں گے۔

ہم لوگ جو زمین پر رہتے ہیں، یقیناً خالی ملبے کے حوالے سے اس تشویش میں مبتلا ہیں کہ کہیں یہ ہمارے اوپر تو نہیں آن گرے گا۔ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ مدار میں جو بھی چیز موجود ہے، آخر کار زمین کی کشش ثقل اسے واپس اپنی جانب کھینچ لے گی لیکن یہ کب ہوگا؟ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ چیز کتنی بلندی پر ہے اور کتنی تیزی سے رواں دواں ہے۔

بلندی جتنی زیادہ ہوگی اسے گرنے میں اتنا ہی زیادہ وقت لگے گا اور اگر وہ زمین کے گرد انتہائی تیز رفتاری سے گردش کر رہی ہے تو اسے اور بھی زیادہ وقت لگ سکتا ہے۔ یہ چیزیں مدار میں ہزاروں سال تک رہ سکتی ہیں اور جہاں تک ان کے ہمارے سروں پر گرنے کا خطرہ ہے تو یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ زیادہ تر ملبہ زمین کی فضائی حدود میں دوبارہ داخل ہونے کے بعد ہوا کی رگڑ سے جل جاتا ہے جس کی وجہ سے اب تک خلائی ملبے سے کسی انسان کی ہلاکت کی اطلاع موصول نہیں ہوئی البتہ کیوبا میں ایک گائے ضرور اس کا شکار ہوئی تھی۔ ٹکساس، اوکلاہاما کی ایک خاتون لوٹی ولیمز اس لحاظ سے بہت خوش نصیب ہیں کہ ۲۲ر جنوری ۱۹۹۷ء کو جب وہ صبح کے وقت چہل قدمی کر رہی تھیں تو ان کے کاندھے سے دھات کا ایک ٹوٹا ہوا ٹکڑا آ کر ٹکرا گیا تھا۔ یہ دھاتی ٹکڑا اس راکٹ کا تھا جو ۱۹۹۶ء میں امریکی فضائیہ کے سٹیلائٹ کو خلا میں چھوڑنے کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ ●●

بقیہ : آنے والی دنیا کے تین منظر نامے

ہے کہ جب ہم مستقبل کے بارے میں درست اندازہ قائم نہیں کرسکتے تو اس کے بارے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ مستقبل کے بارے میں سوچنا اس لئے ضروری ہے کہ ایسا کرنے کی صورت میں ہم اس کا استقبال غیر معمولی ذہنی تیاری کے ساتھ کرسکیں گے۔ مستقبل کے بارے میں سوچنا انفرادی سطح ہی پر ضروری نہیں ہے بلکہ اقوام کو بھی سوچنا پڑتا ہے کہ آنے والے دور کے دامن میں ان کے لئے کیا ہوگا یا کیا ہوسکتا ہے؟ بڑے کاروباری ادارے آنے والے زمانوں کے بارے میں تحقیق کے ذریعے اپنی کارکردگی بہتر بنانے کے بارے میں سوچتے اور حکمت ہائے عملی تیار کرتے ہیں۔ ہر شخص، ہر معاشرہ، ہر حکومت اور ہر کاروباری ادارہ چاہتا ہے کہ اس کا مستقبل محفوظ ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لئے خود انہیں بھی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ جن حالات کے نمودار ہونے کا وہ انتظار کر رہے ہیں ان کی تشکیل میں خود بھی مرکزی کردار ادا کرسکتے ہیں۔ دنیا کو ہم اگر آزاد چھوڑ دیں گے ہمارے لئے وہ یکسر غیر متوازن ہوگی۔ جب ہم اپنے بہتر مستقبل کے لئے خود کام کریں گے تو اسی دنیا میں ہمارے لئے غیر معمولی اور خاصا خوش کن توازن پیدا ہوگا کن توازن پیدا ہوگا۔ ●●

مذہبی رجحانات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

آنے والے زمانے کیسے ہوں گے اس کا بالکل درست اندازہ قائم کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ ماہرین جو کچھ سوچتے اور لکھتے ہیں اس کے تجزیے کی بنیاد پر جو رائے قائم کی جاتی ہے اس میں چند ایک امور کا رہ جانا بعید از قیاس نہیں۔ جن منظر ناموں کا ہم جائزہ لے رہے ہیں ان میں سے مکمل طور پر تو شاید کوئی بھی ہمارے سامنے نہ آسکے۔ اب سوال یہ

بقیہ : شیخ حسینہ کی کڑی آزمائش

جن کا حالیہ بغاوت سے کوئی لینا دینا نہیں بلکہ دیش رائفلز کا عارضی منتظم بنا دیا جائے۔ بی بی سی کے ولی الرحمٰن کے مطابق 'اس امر کا فوری انتظام بھی ضروری ہے کہ بنگلہ دیش رائفلز کے افسران خود اسی رجمنٹ سے تعلق رکھتے ہوں اور یہی نہیں بلکہ مزید نان کمیشنڈ افسران کو آگے لانے کی بھی ضرورت ہے۔ بنگلہ دیش کی فوج بھی اس بغاوت کے نتائج سے دامن نہیں بچا سکے گی۔ بنگلہ دیش فوج کی سربراہ جلد ہی ریٹائر ہونے والے ہیں اور یہ امید کی جارہی ہے کہ ان کے جانشین کے تقرر میں سیاسی عوامل بھی کارفرما ہوں گے۔ بی بی سی بنگالی کے صابر مصطفیٰ کے مطابق "اس بات کو یقینی بنایا جارہا ہے کہ فوج پر انتظامیہ کا کنٹرول مؤثر بنایا جائے اور ممکنہ طور پر ایک قومی سلامتی کونسل بھی تشکیل دی جائے"۔ ان کا کہنا ہے کہ حالیہ بحران سے فوج صحیح طریقے سے عہدہ برآ نہیں ہوسکی ہے اور اس حوالے سے بڑے پیمانے پر بے چینی بھی پائی جاتی ہے۔ لوگ فوج میں احتساب کے فقدان کو پسند نہیں کرتے۔ تاہم اس بغاوت سے جو ایک بات کھل کر سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک کمزور فوج اور انتخابات میں شکست کے دھچکے سے اب تک سنبھل نہ پانے والی اپوزیشن کی وجہ سے شیخ حسینہ کی پوزیشن مزید مضبوط ہوگئی ہے۔ (بی بی سی نیوز)

بقیہ : دین اسلام اور معاشرتی حقوق

ان حقوق العباد کی دائیگی کرے۔ بندوں کے ان حقوق سے فرار اور گریز اللہ کے غضب کو بھڑکانے والا اور دنیاوی نظام کو تہہ و بالا کردینے والا ہے اور چونکہ انسان دنیا میں خدا کا خلیفہ ہے اس لیے حقوق العباد اس کے فرائض منصبی کا حصہ بھی ہیں۔ آج دنیا جن مشکلات کا شکار ہورہی ہے اور جہنم کا نمونہ بنی دکھائی دیتی ہے وہ انہی معاشرتی حقوق کی عدم تکمیل یا افراط و تفریط کی وجہ سے ہے۔ معاشرتی حقوق صرف یہ نہیں کہ وہ انفرادی طور پر ایک فرد کے دوسرے فرد سے تعلقات سے ہی بحث کرتے ہوں بلکہ انسانی اجتماعی معاشرہ بھی اس کے دائرہ کار میں داخل ہے۔ مہد تا لحد انسان کا جن سے بھی سابقہ پڑتا ہے یا پڑسکتا ہے ان سے کس طرح کا رویہ اپنانا چاہیے اس کی تفصیل اسلامی دین و شریعت کا حصہ ہے۔ آج دہشت گردی کا جو ماحول بنا ہوا ہے اور ایک ملک کا دوسرے ملک پر پنجے کسنا اور حملہ کرنا اور وطن کی فطری محبت کی بجائے نیشنلزم کے نام پر وطن کو دیوتا کا درجہ دے دینا اور ملک کے مفاد کے نام پر بقیہ ممالک کی دھجیاں اڑا دینا اور "حفظ ماتقدم اقدامی جنگ" کی کارروائی کردینا وغیرہ معاشرتی حقوق کی پامالی کی وجہ سے ہی انجام پذیر ہورہی ہیں۔ دنیا اگر دین اسلام کے عطا کردہ معاشرتی حقوق اور معاشرتی اصول کو اپنانے کے لیے تیار ہوجائے تو آج ترقی اور امن و سکون انسانی معاشرے کی میراث بن جائے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کیا ہم روایتی دین داری کے غلط خول سے نکل کر دنیا کو اسلام کی لاثانی و بے نظیر اصول و تعلیمات بتانے اور ان کی تبلیغ و تعمیل کے لیے تیار ہوجاتے ہیں......؟ یا دنیوی علوم میں ماہر ہونے کے باوجود دینی علوم اور دینی فہم سے اختیاری ناواقفیت کی چادر اوڑھ کر اللہ کی ناراضگی مول لیتے ہیں۔ دنیا پیاسی ہے اور بڑی یاس بھری نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ رہی ہے بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ منتظر ہے کہ سرور کائنات کی یہ عظیم امت، کار نبوت کی نازک ذمہ داری کے حامل یہ فدائین رسالت دنیا کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شمع رسالت کی ضوفشانیوں کو اور گلستان نبوت کے عطر بیز پھولوں کی مہک کو چہار سو بکھیرنے کے لیے تیار ہیں یا زبانی جمع وخرچ کرتے اللہ کے غضب کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایاتین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر "دعوت" ڈی ۳۱۳، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی عمیر کوٹی ندوی، اشرف علی بستوی

تصنیفی تربیت کورس

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ اپنے زمانہ قیام ہی سے بحث وتحقیق کے ساتھ نوخیز اہل قلم کو اسلامی موضوعات پر تصنیف وتالیف کی تربیت بھی فراہم کرتا ہے۔ اس شعبہ سے فائدہ اٹھا کر بہت سے حضرات آج ملک بیرون ملک میں اہم علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دوسالہ تربیتی کورس کے لئے انتخاب انٹرویو کی بنیاد پر ہوگا۔ منتخب ہونے والے افراد کو ادارہ کی نئی اور کشادہ عمارت میں قیام کی سہولت کے ساتھ ڈھائی ہزار روپے ماہانہ وظیفہ بھی دیا جائے گا۔ اطمینان بخش کارکردگی کی صورت میں ایک سال کے بعد یہ رقم تین ہزار روپے کی جاسکتی ہے۔

مطلوبہ اہلیت: (۱) درخواست دہندہ کسی کالج یا یونیورسٹی سے ایم اے ہو اور اسلامیات اور عربی کی اچھی استعداد رکھتا ہو۔ (۲) کسی معروف عربی مدرسہ سے فضیلت یا اس کے مساوی سند کا حامل ہو اور ہائی اسکول کے معیار کی انگریزی کی صلاحیت رکھتا ہوں۔

درخواست کے ساتھ حسب ذیل معلومات فراہم کی جائیں

(۱) نام (۲) عمر (پچیس ۲۵ سال سے زیادہ نہ ہو) (۳) پورا پتہ (۴) تعلیمی استعداد (اسناد و مارک شیٹ کی نقول کے ساتھ) (۵) کورس کے علاوہ مطالعہ کی تفصیل (۶) مطبوعہ یا غیر مطبوعہ مضامین کی نقول (۷) دلچسپی کے موضوعات کی تفصیل (۸) تحریک اسلامی سے متعلق یا کسی معروف شخصیت کا تصدیق نامہ۔ جن افراد کو انٹرویو کے لئے بلایا جائے گا انہیں ایک طرف کے سلیپر کلاس کا کرایہ ادا کیا جائے گا۔ درخواست ۳۱ر مارچ ۲۰۰۹ء تک اس پتے پر بھیجیں۔

ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی (سکریٹری)

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی

نبی نگر، جمال پور، پوسٹ باکس نمبر ۹۳، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲ Mob. 09410060558

ضرورت رشتہ

● دین پسند، سید سنی خاندان کی خوبصورت لڑکی عمر ۲۶ سال، تعلیم انٹر، کے لئے برسر روزگار لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔

● لڑکا ۲۵ سال، تعلیم انٹر، اور ڈپلوما، پرنٹنگ کا اپنا کاروبار کے لئے دین پسند خاندان کی لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ دہلی و بہار کے رشتے قابل ترجیح ہوں گے۔ بدلے کے رشتے بھی قابل قبول ہوں گے۔

رابطہ کریں: 09899443309

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس

سپر ٹینری لمیٹڈ

• برنشڈ کاف • فیشن اپیل لیدرز • اپیل اپ • انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز • نو بک • واٹر پروف لیدرز • گارمنٹ نپا • شوا یونڈ بوٹ اپرز

SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170, JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

"اے اللہ میں آپ سے اس علم کی پناہ مانگتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو" (مسلم)

OMEGA SUPER HARDWARE
Complete range of Latest fittings for Doors & Windows, Bath Rooms and Furnitures, Glass Furnitures
AD 5/2, 2nd AVENUE, ANNA NAGAR, CHENNAI- 40.
Phones: 2620 2016,4269 0216

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

لیبل و کیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ، ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، ختنہ، کھانسی، نزلہ، زکام وغیرہ میں مجرب و مفید ہے

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

جدید طرز پر کاروباری معلومات فراہم کرنے والا

رہبر صنعت وتجارت

اشاعت کے چھبیس (26) سال

خالص کاروبار پر مشتمل اس رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں

★ چھوٹے پیمانے کی کاروباری اسکیمیں ★ گھریلو پیمانے پر تیار ہونے والی مصنوعات کے فارمولے، بنانے کے طریقے، مشنریز وخام مالوں کی تفصیلی جانکاری ★ خواتین کے لئے پردے میں رہتے ہوئے گھریلو ہنر وکام کاج ★ حکومت کی جانب سے چھوٹی صنعتوں کے لئے مراعات ★ دانشوران صنعت وتجارت کے مضامین اور بہت کچھ۔

فی شمارہ/15 روپے	سالانہ/150 روپے

ادارہ کی جانب سے مختلف انڈسٹریز پر کتابیں بھی شائع ہوچکی ہیں

RAHBAR-E-SANAT-O-TEJARAT
24,C BRIGHT STREET, KOLKATA-700017
PH.: 033-22806152, MOB.: 09331001824

حضرت محمدؐ: سیرت اور پیغام

آپؐ کیسے تھے؟	عرفان خلیلیؒ	14/-
آخری رسول حضرت محمدؐ: سیرت اور پیغام	مولانا سید جلال الدین عمر	5/-
بزم پیغمبرؐ	مولانا مقبول احمد سیوہارویؒ	13/-
پیارے رسولؐ	افضل حسینؒ	10/-
پیارے نبیؐ ایسے تھے	مائل خیرآبادیؒ	10/-
پیکر جمیلؐ	حمید شاہد	100/-
حضرت محمدؐ: آغوش آمنہ سے غار حرا تک	علی اصغر چودھری	90/-
حضرت محمدؐ: غار حرا سے غار ثور تک	علی اصغر چودھری	115/-
حضرت محمدؐ: ہجرت سے الرفیق الاعلیٰ تک	علی اصغر چودھری	140/-
حیات رسولؐ (کوئز)	علی اصغر چودھری	40/-
در یتیم	ماہر القادریؒ	60/-
دنیا کی عظیم ترین شخصیت	پروفیسر مرزا رفیع الدین احمد	5/-
رحمت عالمؐ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	5/-
رحمۃ للعالمینؐ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	8/-
سیرت کا پیغام	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	6/-
سیرت ختم الرسلؐ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	16/-
محمد عربیؐ	مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی	120/-
میلاد النبیؐ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	8/-
ہمارے حضورؐ	عرفان خلیلیؒ	14/-
ہمارے رسول پاکؐ	طالب ہاشمی	50/-
قائد انسانیتؐ	سلیم احمد فاروقی	18/-
سیرت سرور عالمؐ اوّل (مجلد)	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	310/-
سیرت سرور عالمؐ دوم (مجلد)	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	200/-
محسن انسانیتؐ (مجلد)	نعیم صدیقیؒ	225/-
سید انسانیتؐ	نعیم صدیقیؒ	55/-
عہد نبوی کا مدنی معاشرہ	ڈاکٹر سید محمد لقمان اعظمی ندوی	160/-
حیات سرور کائناتؐ	ابوبکر سراج الدین (مارٹن لنکس)	175/-
سیرت رسولؐ: دروس اور نصائح	محمد سعید رمضان البوطی	160/-
جلوۂ فاراں	مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی	85/-
حضور اکرمؐ اور ہجرت	ڈاکٹر سید اسعد گیلانی	40/-
رسول کریمؐ کی جنگی اسکیم	عبدالباری ایم اے	65/-
رسول کریمؐ کی سماجی زندگی	متین طارق باغپتی	60/-
سرور عالمؐ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	6/-
غزوات رسول اللہؐ	بریگیڈیر گلزار احمد	90/-
غزوات مقدس	مولانا عنایت اللہ وارثی	45/-
نبی کریمؐ کی نمازیں	مولانا طاہر رسول قادری	22/-
نراشنس اور آخری رسولؐ	پنڈت وید پرکاش اپادھیائے	10/-
آنحضرتؐ کا سلسلۂ نسب اور اہل کتاب	مولانا حمید الدین فراہیؒ	5/-

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652, 26946447(D) Fax : 26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com. Website: www.mmipublishers.net